ماهنامه
ملّیّہ
فیصل آباد
پاکستان
شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ بمطابق جولائی 2012ء
www.milliafsd.com
كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا
وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
كلمة الحبيب
حمّام کے ننگے دھڑ
ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
مکاتیب رئیس الاحرارؒ سے
رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے نام
حاجی عبدالعزیز ولد صوفی عبدالحق لدھیانوی مرحوم کا اہم خط
تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں
حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ
امریکہ کی افسوناک صورتحال۔۔۔!
طیبہ ضیاء چیمہ (نیویارک)
امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ
مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن نفیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

امداد اللہ مہاجر مکی را
کتبہ احقر نفیس رقم
۲ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ : لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

جلد نمبر 8 — شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

بمطابق

شمارہ نمبر 8 — جولائی 2012ء

فہرست مضامین

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

حضرت سید نفیس الحسینیؒ

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر: حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر: جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 25 روپے — پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

041-8711569

0321-6611910

ناشر۔۔۔۔۔۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

Decl No. 3483-85

كلمة الحبيب

حمّام کے ننگے دھڑ

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

''حمّام'' یہ لفظ عربی اور فارسی میں ایسی جگہ کے لئے بولا جاتا ہے جو غسل کرنے کے لئے مختص ہو، اور غسل کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پورے جسم پر جو میل کچیل ہوتا ہے اس سے بدن صاف ہو جاتا ہے اور بدن کی بدبو زائل ہو جانے سے آدمی کا جسم ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے دل و دماغ میں تازگی محسوس کرتا ہے۔ پہلے زمانہ میں صرف غسل کرنے کے لئے گھروں میں جگہ کا باقاعدہ انتظام کیا جاتا تھا، قضائے حاجت کے لئے لوگ گھروں سے باہر کھیتوں یا جنگلوں میں ہی جایا کرتے تھے اس لئے اُس کے لئے کوئی نام عربی لغت میں کم از کم میرے علم میں نہیں۔ بعد میں اسی لفظ ''حمّام'' کو گھر میں بنائے گئی قضائے حاجت کی جگہ کے لئے بھی بولا جانے لگا۔ اب تو تمام عرب میں یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں قضائے حاجت کے لئے بنائے گئے مقام کو بیت الخلاء بولا جاتا ہے، مگر چونکہ انگریزی ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ گُس آئی ہے اس لئے اس کے لئے ''باتھ روم یا واش روم'' کے الفاظ استعمال ہونے لگ گئے ہیں۔ نیز یہ کہ اب تو قضائے حاجت اور غسل کے لئے ایک ہی جگہ کو اکٹھے کر دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غسل کا عمل ہی ایسا ہے جس کو دوسروں سے چھپ کر کیا جاتا ہے، تا کہ کسی دوسرے کی نظر چاہے وہ اپنا ہی کیوں نہ ہو اس کے ننگے بدن پر نہ پڑے۔

پرانے زمانے میں گھروں سے باہر شہروں میں بھی لوگوں نے حمام بنانے شروع کئے۔ اس میں لوگ رقم دے کر غسل کر لیتے، اس کے ساتھ ساتھ کئی حمام لوگوں کو ذہنی آسودگی کے لئے اور بھی کئی کچھ مہیا کرتے۔ جس کے اندر جسم کی مالش اور گرم پانی کے ذریعہ جسمانی اعضاء کو سکون دینے کے لئے خاص طریقے شامل تھے۔

آہستہ آہستہ یہی حمام لوگوں کے مل بیٹھنے کی جگہ بن گئے، جو بھی فارغ ہوتا وہا چلا آتا۔جس طرح آج کل چائے خانے اس کام کو سرانجام دے رہے ہیں۔وہاں پر محبوب بھی آتے تھے اور معتوب بھی۔اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ سعدی شیرازی نے اپنی کتاب گلستان میں حمام کا اندورنی نقشہ اس انداز سے بیان کیا ہے۔

گلِے خوش بوئے در حمّام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلِے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگُل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

''ترجمہ: شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حمام میں گیا وہاں پر مجھے اپنی ایک محبوب ہستی کے ہاتھ سے ایک خوشبودار مٹی ملی۔میں نے اس مٹی سے سوال کیا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں، مٹی نے کہا کہ میں ایک بے قیمت مٹی ہوں لیکن ایک مدت تک پھول کے ساتھ رہی ہوں، پھول کے پاس رہنے سے اس کے جمال نے مجھ میں یہ تاثیر (یعنی خوشبو) پیدا کردی ہے ورنہ میں ایک عام سی مٹی ہوں''

ان اشعار میں شیخ سعدیؒ نے اپنے دور کے حمام کے اندرونی ماحول کا ذکر کیا ہے کہ وہاں پر کیسے کیسے محبوب لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔اور اس ماحول کا رنگ و جمال کیا کیا اثر دکھاتا ہے، یہاں تک کہ ایک معمولی مٹی بھی اس اثر کو محسوس کیئے بنا نہیں رہ سکتی۔وہ دور پھر بھی حیا کا دور تھا ،وہاں پر وضع داری سے کام لیا جاتا تھا۔مگر آج کل حمّام عیاشی کے ایک اڈے کے علاوہ کچھ نہیں۔

یورپ میں اس قسم کے حمام جگہ جگہ ملتے ہیں جن میں مردوں کا مساج عورتیں کرتی ہیں، اس

میں سب لوگ ننگے ہوتے ہیں کوئی کسی سے شرم نہیں کرتا، یہاں پر مردو عورت سبھی اکٹھے ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کے جسمانی عیب کا پوری طرح سے علم ہوتا ہے۔ لہذا اپنے جسمانی عیب کو چھپانے کے لئے دورے کے جسمانی عیب کا کوئی ذکر نہیں کرتا، البتہ جب کبھی ان لوگوں میں مخالفت ہوتی ہے تو دوسرے کے سامنے یہ لوگ اپنے مخالف کا عیب بیان کر دیتے ہیں تو اس کے جواب میں دوسرا بھی اس کا عیب بیان کر دیتا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی پرویز مشرف کے دور میں ایسے حمام کھولنے کا پروگرام تھا مگر اس پر عمل نہیں ہوسکا۔ ہمارا ملک بھی ایک حمام ہے، یہ ۱۹۴۷ء میں بنایا گیا، اس کے بنا نے والے پراپرٹی ہولڈر اور پراپرٹی ڈیلر تھے۔ پراپرٹی ہولڈروں میں جاگیردار، صاحب بہادر، خان بہادر، پیر، گدّی نشین، مخدوم، نواب، ٹوانے دولتانے، خوانین، سردار، وڈیرے، حبّ جاہ اور حبّ مال میں مستغرق علماء، شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی پراپرٹی کو بچانے کے لئے ایک تحریک چلائی جس کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس کو سمجھنے کے لئے ماضی میں جانا پڑے گا۔

۱۹۳۶ء کے الیکشن میں کانگریس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم برسر اقتدار آ گئے تو زرعی اصلاحات کریں گے، جاگیرداری نظام ختم کر دیں گے، اور ۱۸/۱ ایکڑ سے زائد کسی کے پاس زمین نہیں رہنے دیں گے۔ چنانچہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے علاوہ باقی صوبوں میں کانگریس اسی وعدے پر جیت گئی۔ کانگریس نے کامیاب ہونے کے بعد حسب وعدہ زرعی اصلاحات کرنا شروع کر دیں۔ یوپی کے علاقوں میں مسلم لیگ کے بڑے بڑے زمینداروں کی زمین بھی انہی اصلاحات کی نذر ہوگئیں، جن میں سرفہرست نواب لیاقت علی خان اور مسٹر خلیق الزمان ہیں۔ اس پر مسلم لیگ کے بڑوں نے اپنی زمینیں بچانے کے لئے پاکستان کی اصلاح ایجاد کی، ۱۹۳۸ء سے پہلے پاکستان کے نام سے کوئی تحریک موجود نہ تھی۔ پھر یکا یک ان لوگوں کو اسلام اور مسلمان یاد آ گئے۔ اور ایک وطن حاصل کر لیا جس میں ان کے اکثر لوگوں کی پراپرٹی زمینداری کی شکل میں موجود تھی۔

دوسرا طبقہ پراپرٹی ڈیلروں کا تھا، جو کہ جج، جرنیل، سیاستدان، حکمران، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، محکمہ بحالیات کے افسر، کلرک، وغیرہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد صرف اپنا کمیشن کھرا کرنے کے لئے اُجڑ کر آئے ہوئے

مہاجروں کا حق چھین کر غیر مستحق لوگوں کو دیدیا، جن میں وہ جاگیر دار بھی شامل تھے جو کہ پہلے ہی سے اس ملک میں زمینوں پر قابض تھے۔شہری جائدادوں کے جعلی کلیم داخل کروا کر اپنا کمیشن کھرا کیا۔

اور جو لوگ اصل حق دار تھے وہ یا ان کی اولادیں آج بھی عدالتوں اور دفتروں کے چکر کاٹتی نظر آتی ہیں۔انہیں آج تک اس ملک میں رہائش کے لئے جگہ الاٹ نہیں کی گئی۔شروع شروع میں پراپرٹی ہولڈر اپنی پراپرٹی (جو کہ جاگیر کی شکل میں تھی) بچا کر چین کی نیند سو گئے انہوں نے اپنی اولادوں کو اس زعم میں نہیں پڑھایا لکھا کہ ہم نے اپنی اولاد کو کونسی نوکری کرانی ہے، ہم نے تو بغیر پڑھے انگریز سے مراعات حاصل کر لی تھیں اور انگریزی سرکار میں عہدے بھی حاصل کر لئے ،اب بھی اسی طرح ممبر پارلیمنٹ بن کر قوم پر حکمرانی کے مزے لوٹیں گے، اسی طرح مستقبل میں ہماری اولادیں بھی اسی قسم کی مراعات حاصل کر کے اپنا خاندانی ورثہ قائم رکھیں گی۔

مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کو احساس ہوا کہ اصل طاقت تو اس گورنمنٹ ملازم کے پاس ہے جو کہ اپنے قلم کی ایک جنبش سے امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنا دیتا ہے، چنانچہ انہوں نے بھی اپنی اولاد کو پڑھا لکھا کر سفارش کے ساتھ اونچے عہدوں پر بٹھا دیا۔ان کی اولادیں ناتجربہ کار تھیں، مگر انہوں نے دیکھا کہ ہم امیر ہونے کے باوجود وہ لائف سٹائل نہیں اپنا سکے جو کہ پراپرٹی ڈیلر سرکاری عہدے پر ایک کلرک کی حیثیت سے اپنائے بیٹھے ہیں ”مثلاً ان عہدہ داروں کی اولادیں بڑی بڑی کوٹھیوں کی مالک ہیں، بڑی بڑی لینڈ کروزر گاڑیوں میں پھرتی ہیں، یورپی ممالک میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں، یورپی ممالک میں ان کے بنگلے ہیں، بیرون ملک ان کے بنک بیلنس ہیں“ تو ہم کیوں پیچھے رہیں۔اسی چیز کو دیکھ کر ان کی رال بھی ٹپک پڑی، اور انہوں نے بھی غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں پر بڑی بڑی کالونیاں تعمیر کرنی شروع کر دیں، ان کالونیوں میں وہ سہولتیں مہیا کر دیں جو کہ یورپ کے ملکوں میں بھی شاید نہ ہوں۔

انہی میں ایک کلرک ملک ریاض حسین کا نام آتا ہے جس نے بحریہ ٹاؤن کے نام سے پراپرٹی کو استعمال کرنے کا کام شروع کیا۔اس میں اس نے نہ صرف ہر حکومت کے تمام سٹیک ہولڈروں کو شامل کیا، بلکہ تمام محکموں کے ذمہ داروں، عہدیداروں کی اولادوں کو بھی شریک کر لیا۔تا کہ قانونی اور انتظامی بنیاد پر جہاں بھی رکاوٹ ہو اس کو اس کی اولاد کے ذریعہ دور کر لیا جائے۔چنانچہ ایسا

ہی ہوا، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسی ملک ریاض نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ

''اگر حکومت زمینوں کے معاملے میں مجھے فری ہینڈ دیدے تو میں ملک کا قرضہ بھی اُتار سکتا ہوں''۔ ملک ریاض نے اپنے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں دیکھی ، اس لئے کہ اس کی تمام رکاوٹیں پراپرٹی عہدیداروں کی اولادیں بذات خود دور کر دیتی تھیں۔ مگر اچانک ہمارے ملک کے چیف جسٹس صاحب کو کچھ ایسی درخواستیں آئیں کی اس پر انہوں نے نوٹس لے لیا، چنانچہ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے انہوں نے چیف صاحب کا بیٹا پھانس لیا، اس کو وہ عیش کرائی کہ وہ یہ عیش اپنے باپ کے اصولوں کی بنیاد پر نہیں کر سکتا تھا۔ بیٹے نے بھی سوچا کہ جب تک یہ سلسلہ چلتا ہے چلتا رہنا چاہیے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر ہمارے چیف صاحب مار کھا گئے ، پورے ملک پر انصاف کی نگاہ رکھنے والے اپنے بیٹے پر نگاہ نہ رکھ سکے ، جس کی وجہ سے ایسا سیکنڈل سامنے آیا کہ پورا ملک ہل گیا۔

اس پر ملک ریاض صاحب نے اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے قرآن اٹھا لیا۔ قرآن کو استعمال کرنے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں، اس سے پہلے بھی قرآن کو استعمال کیا جاتا رہا۔ مثلاً ! قیام پاکستان کے وقت بھی بانیانِ پاکستان نے مسلمانوں کے سامنے قرآن اُٹھا اُٹھا کر وعدے کئے تھے کہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم ہوگا۔ ۶/اگست ۲۰۰۸ء کو نواز شریف اور صدر آصف علی زرداری کے درمیان قرآن کے سائے میں معاہدہ ہوا۔ ۲۸/اگست ۲۰۱۱ء کو ذوالفقار مرزا قرآن مجید لے کر پریس کلب پہنچ گئے۔ اس کے جواب میں الطاف حسین ۱۱/ستمبر ۲۰۱۱ء کو قرآن لے کر میدان میں آ گئے۔ اور اب ملک ریاض بھی ۱۲/جون ۲۰۱۲ء کو قرآن اٹھا کر میدان میں آئے ہیں، اس کے جواب میں چیف جسٹس افتخار چوہدری نے بھی قرآن اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی صفائی پیش کی۔

بظاہر دنیا پر یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اس معاملے کا کسی کو علم نہیں تھا، جبکہ سالہا سال سے رات دن ڈالر، روپے اکٹھے کئے جا رہے تھے، اور ان سے متروکہ زمینوں پر محلات تعمیر کئے جا رہے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگ قلم کے رکھوالے کہلاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو صبح و شام ٹی وی پر بیٹھ کر قوم کی بے بسی کا نوحہ پڑھتے ہیں۔ ان میں کسی نے ایک کروڑ کسی نے تو کسی نے دو کسی نے تین کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ لئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پلاٹ بھی لئے۔ کسی نے امریکہ کے تین تو کسی نے دبئی کے سات سات پھیرے لگائے۔ تو گویا کہ اس حمّام میں سب ننگے ہو گئے۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس حمّام کا مالک ایک نیم تعلیم یافتہ شخص بن گیا، کسی نے نہیں سوچا کہ وہ کھرب پتی کیسے بنا؟ صاف بات ہے کہ اُسے ملک کی اشرافیہ اور بیوروکریسی (جسے دوسرے لفظوں میں پراپرٹی ڈیلر کہا جائے تو بہتر ہے) نے اس رتبے تک پہنچایا۔ ان پراپرٹی ڈیلروں نے اس کی خاطر قانون توڑے، پولیس نے اس کا ساتھ دیا، افسر شاہی کے نام پر پراپرٹی ڈیلر اس کے پیچھے دُم ہلا کر چلنے لگے، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائیٹیوں نے خزانے کے منہ اس کے لئے کھول دیئے، سیاست دان اس کی دہلیز پر بیٹھ گئے، ملک کا نظام اس کے سامنے آنکھیں بچھانے لگا۔ تب وہ شخص کھرب پتی بنا اور طاقت کا ایسا محور بنا کے وہ اس حمام کا مالک بن گیا جس میں ساری ننگے تھے۔

اگر غور کیا جائے تو یقیناً معلوم ہو جائے گا پراپرٹی ہولڈر یا پرپرٹی ڈیلر ملک ریاض کے پیچھے کسی علم وفضل یا حکمت کے موتی اکٹھے کرنے کے لئے نہیں پھرتے تھے، یہ لوگ ملک ریاض کے پیچھے اس لئے پھرتے تھے کہ اس کے پاس بے پناہ دولت ہے، اسی لئے اس کے پاس پورے پروٹوکول کے ساتھ جاتے تھے، یہ طاقت کے پُتلے حکمران عوام کی بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے مگر ان میں جب ملک ریاض آتا تھا تو یہ لوگ اس کے سامنے بونے معلوم ہوتے تھے۔ وہ ان میں اس طرح سر اٹھا کر چلتا تھا کہ جیسے اس روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی نہ ہو۔ اس کی شاہانہ چال اور آگے کو نکلا ہوا سینہ بتلا رہا ہوتا تھا کہ یہ بونے اس کی جیب کے کھوٹے سکے ہیں۔ اب جبکہ چیف جسٹس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے سوموٹو ایکشن لیا ہے تو بڑی بڑوں کا پتّہ پانی ہونے کو ہے۔ وہ ملک ریاض جو کہ پریس کانفرنس میں قرآن اٹھا کر بڑے بڑے دعوے کر رہا تھا وہ ملک ریاض اب عدالت میں یہ کہتا سنا گیا ہے کہ مجھے کوئی وکیل نہیں مل رہا، مجھے مہلت دی جائے تا کہ میں اپنا وکیل کر سکوں، وہ کہتا ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کو وکیل کر دیا گیا تھا اسی طرح عدالت مجھے بھی وکیل کر کے دے۔ یہ حالت تو حمّام کے مالک کی ہو گئی ہے، دوسری طرف اس حمّام کے سارے ننگے اپنا دھڑ چھپانے کے لئے خاموش ہو گئے ہیں۔ لگتا ہے کہ اب بڑے بڑے لوگوں کے عیوب ظاہر ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید۔ جب نوبت یہاں پہنچ چکی ہو تو اس پر کیا کہا جا سکتا ہے۔

ہمشیرہ محترمہ کی رحلت

گذشتہ ماہ راقم کی بڑی ہمشیرہ محترمہ کا انتقال ہوگیا ہے، قارئین سے گذارش ہے کہ ان کی مغفرت وترقی ردجات کے لئے دعا فرمائیں۔

مکاتیب رئیس الاحرارؒ سے

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے نام
حاجی عبدالعزیز ولد صوفی عبدالحق لدھیانوی مرحوم کا اہم خط

صوفی عبدالحق لدھیانوی مرحوم رئیس الاحرارؒ کے عزیزوں میں سے تھے۔ خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ تقسیم ہند کے بعد سعودی عرب تشریف لے گئے تھے۔ مگر وہاں پر مستقل قیام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ ۱۹۵۵ء کے آخر میں اس وقت کے سعودی فرمانروا شاہ سعود بن عبدالعزیز ہندوستان کے دورے پر دہلی آ رہے تھے۔ اس دورے کی دعوت رئیس الاحرارؒ نے انہیں اسی سال اپنے سفر حج میں دی تھی۔ اس لیے رئیس الاحرارؒ کا شاہ سعود سے قریبی تعلق ہو گیا تھا۔ صوفی عبدالحق مرحوم کے بڑے بیٹے حاجی عبدالعزیز مرحوم نے اسی تعلق کی بنا پر رئیس الاحرارؒ کو سعودی نیشنیلٹی کے لیے خط لکھا۔ چنانچہ رئیس الاحرارؒ نے شاہ سعود مرحوم سے ان کے لئے نیشنیلٹی کی سفارش کی، پھر ان کو نیشنیلٹی دیدی گئی۔ حاجی عبدالعزیز مرحوم نے بعد میں پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ''اسلام آباد ہوٹل'' کے نام سے ہوٹل بھی تعمیر کیا اور فیصل آباد میں ''لائل پور کاٹن ملز'' بھی خریدی۔

۳۰ نومبر ۱۹۵۵ء

از: عبدالعزیز ولد صوفی عبدالحق لدھیانوی معرفت الحاج محمد عالم عطر جی

مکرمی المحترمی الحاج مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ! ہم سب بخیریت ہیں امید ہے جناب بخیر پہنچ گئے ہوں گے۔ دیگر یہاں پر امسال ۱۳۷۴ھ کے حجاج کو نکالا جا رہا ہے۔ جناب تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ والد صاحب مع اہل و عیال ۱۹۲۰ء میں ہجرت کی نیت سے حجاز تشریف لائے تھے اور تقریباً ڈیڑھ سال ٹھہرنا بھی ہوا تھا۔ مگر ایک تو یہاں پر ہمشیرہ کا انتقال اور کچھ اسی وقت جنگ کی مصیبتیں اور ہمارا بچپن، طبیعت کا اداس ہونا۔ ان سب چیزوں نے والد صاحب کو مجبور کر دیا تھا کہ واپس جائیں۔ حقیقت میں بندہ ہی نے زیادہ واپسی کا اصرار کیا تھا مگر ان کی وہ تمنا اور آرزو وہاں جا کر بھی اسی طرح رہی۔ لہٰذا بندہ بہت فکر مند رہتا تھا کہ جو میری وجہ سے ان کو واپسی کی تکلیف ہوئی ہے۔ اسے کسی نہ کسی طرح پورا

کردوں۔ امسال والدین اور چھوٹے برادران کو ساتھ لے آیا، تاکہ ان کی پرانی آرزو، تمنا پوری ہو جائے اور اس ارادہ سے تشریف لے آئے مگر اب یہاں اقامہ نہیں مل رہا اس کے لئے والدین روتے رہتے ہیں۔ جناب تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ خاندانی اثرات سمجھئے یا کچھ اور کچھ طبعًا انگریزوں سے نفرت بلکہ انکے دوستوں سے بھی نفرت ہے۔ اس لئے پاکستان تو بالکل جانا میں نہیں چاہتا۔ الحمدللہ یہاں کا ماحول اچھا ہے، بچوں کی تربیت اچھی ہو رہی ہے اور کئی ایک گناہوں سے یہاں بچاؤ ہے، اس لئے آپ سے التجا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے لئے بہت بہت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی امداد سے یہاں ٹھہرنے کا انتظام فرمادیں اور یہاں سے نکالا جانا رُک جائے۔ فالحمدللہ خرچ وغیرہ کے لئے کوئی تکلیف نہیں۔

دیگر ویسے شاہ سعود نے کچھ لوگوں کو اپنے خاص اختیارات سے طابیع تک دیئے ہیں۔ لہذا جناب سے گزارش ہے، چونکہ شاہ سعود آج کل ہندوستان آئے ہوئے ہیں۔ جناب کی یا جناب کے کسی رفقاء کی ملاقات تو ضرور ہوگی۔ لہذا ان سے مل کر ہمارے لئے یہاں کی (نیشنلٹی) طابیعہ لے دیں یا کم از کم ٹھہرنے کا اقامہ ہی مل جائے۔ اور انشاء اللہ اس کی جزا اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دیں گے۔ ایک درخواست پر ہمارا نام لکھ کر ان سے خصوصی اجازت لے لیں۔ ویسے وہ (فوق العادۃ) امر کر دیتے ہیں اس سے کام بن جاتا ہے وہ کرا کر آپ ہمیں یہاں بھیج دیں۔ ہم یہاں طابیعہ لے لیں گے یا کم از کم ٹھہرنے ہی کی اجازت ہو جائے تو اس سے ہی کچھ عرصہ ٹھہر جائیں گے۔ بھولئے گا نہیں، بے شک اس میں آپ کو کافی محنت ہوگی، مگر خدا کے لئے اسے ضرور کروادیں۔ یہ ایک اپنے قریب کا بلکہ محسن کا کام ہوگا۔ مندرجہ ذیل نام درخواست میں لکھ لیں

(۱) عبدالحق ولد مولوی عبداللہ عمر ۵۶ سال (۲) عبدالعزیز ولد مولوی عبدالحق عمر ۳۲ سال
(۳) عبدالرحمٰن ولد مولوی عبدالحق عمر ۲۵ سال (۴) نثار احمد ولد مولوی عبدالعزیز عمر ۹ سال
(۵) عبدالحفیظ ولد مولوی عبدالرحمٰن عمر ۲۶ سال

جواب کا منتظر۔ الراقم عبدالعزیز لدھیانوی لائل پور حال مطیع مکہ مکرمہ

دیگر والد صاحب اور بھائی صاحب، والدہ صاحبہ گھر میں سب کو سلام لکھوا رہے ہیں۔ برخوردار کو سلام، بچوں کو پیار۔ لائل پور سے خیریت کا خط آتا رہتا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب منٹگمری سے ملازمت چھوڑ آئے ہیں۔ ان کی والدہ بیگم صاحبہ کی طبیعت پہلے سے قدرے اچھی ہے۔ سب کو سلام

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی — قسط 21

علمائے حرمین کے فتوائے تکفیر کی اہمیت

ہم گذشتہ شماروں میں مرزا غلام احمد قادیانی پر اوّل مکفّرین خاندانِ علماء لدھیانہ کے بعد دوسرے نمبر پر فتویٰ کفر دینے والے مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کی طرف سے علماءِ حرمین سے لئے گئے فتوے کو تفصیل کے ساتھ شائع کر چکے ہیں۔

ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کے فتویٰ کی اشاعت اگرچہ دیر سے ہوئی، مگر اس کی مشہوری اس کی اشاعت سے پہلے ہی ہوگئی تھی اور تمام اہل علم تک وہ فتویٰ پہنچ گیا تھا۔ اسی لئے مرزا قادیانی کے بڑے بڑے مؤیدو مؤول لڑکھڑا گئے۔ اس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

اس کی بڑی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ یہ فتویٰ علماءِ حرمین کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اور اس فتوے پر صرف ایک ہی مسلک کے علماء کے دستخط نہیں تھے بلکہ تمام مسالک جن میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی شامل ہے کے جید علماء و مفتیان کرام کے دستخط تھے۔

اسی لئے اہل علم نے اس فتوے کو غیر اہم نہیں سمجھا، کیونکہ حجاز مقدس اسلام کا اوّلین و آخرین مرکز و گہوارہ ہے، چنانچہ جس شخص کو علمائے حرمین بالاتفاق کافر قرار دیں وہ کبھی دائرہ اسلام میں داخل نہیں سمجھا جاسکتا۔ خود مرزا قادیانی نے ایک جگہ لکھتا ہے:

> مکّہ اسلام کا مرکز ہے۔ لاکھوں صلحاء علماء اور اولیاء اس میں جمع ہوتے ہیں۔ (ست بچن، مؤلفہ مرزا غلام احمد، صفحہ ۲۳)

> اور میں نے علماء (ہندوستان) میں بخل اور حسد پایا تو اپنے دل میں ٹھان لیا کہ ان لوگوں سے اعراض کروں اور مکہ معظّمہ کی طرف بھاگ جاؤں اور صلحاء عرب کی طرف توجہ کروں کیونکہ اہل عرب آزادی کی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں انہوں نے اہل بیت کے

دودھ سے پرورش پائی ہے۔

(نورالقرآن، مولفہ مرزا غلام احمد، حصہ اول صفحہ ۱۴) (رئیس قادیان)

مرزا قادیانی کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکہ معظّمہ کی اہمیت کو سمجھتا تھا اور ہندوستان کو چھوڑ کر مکہ جانا چاہتا تھا مگر علمائے حرمین کے فتویٰ تکفیر نے اس سے یہ جرأت ہی سلب کر لی۔ اگر اپنے آپ کو سچا سمجھتا تھا تو اس کو ضرور مکہ جانا چاہئے تھا ہو سکتا ہے کہ یہ خوف غالب آ گیا ہو کہ میرے وہاں جانے پر میری گردن ماری جا سکتی ہے۔

نیز اس فتویٰ تکفیر کی اہمیت اس لئے بڑھ گئی کہ پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید ہندوستان کے علماء کی کچھ آپس میں فروعی مسائل کی رنجش ہے مگر جب علمائے حرمین نے فتویٰ تکفیر جاری کر دیا اور علماء لدھیانہ کے موقف کی حمایت کر دی تو اس کی اہمیت بڑھ گئی۔

فتوائے تکفیر کے بعد لدھیانہ کے حالات

ہم اس سے پہلے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ خاندانِ علماء لدھیانہ نے دیا تھا۔ پھر اس کے بعد اس فتوائے تکفیر کی مخالفت میں جو لوگ پیش پیش تھے ان کا بھی ذکر تفصیل سے ہوا۔ لہٰذا اب اس بارے میں کہ سب سے اوّل مکفرین مرزا (خاندان علماء لدھیانہ ہی ہیں) میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔ مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ دینے والے تین مولوی ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) مولانا محمد لدھیانویؒ (۲) مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ (۳) مولانا عبداللہ لدھیانویؒ۔ لدھیانہ کے باقی سب علماء نے ان کے فتوے کی مخالفت کی تھی۔

اب تک ہم اس موضوع پر ۱۹/اقساط شائع کر چکے ہیں، ان اقساط میں ۱۸۸۴ء سے لے کر ۱۸۹۰ء تک کے حالات زیر بحث آئے ہیں۔ یہ دور بہت اہم ہے، اس میں کئی واقعے رونما ہوئے۔

۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی پہلی دفعہ لدھیانہ آیا، جس پر خاندان علماء لدھیانہ نے اس کی کتاب براہین احمدیہ کی تحریرات کی روشنی میں کفر کر فتویٰ دیا،

پھر اس فتوے کے مخالفت میں مولانا محمد حسین بٹالوی میدان میں کود گئے۔ چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی کی زبردست حمایت اور دلائل کے وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کو لدھیانہ کے دورے پڑنے لگ گئے۔ مشہور ہے کہ انہی دوروں کے درمیان مرزا قادیانی نے پہلی بیعت بھی لدھیانہ میں لی۔ مرزا کی کتابیں فتح اسلام اور توضیح مرام، ازالہ اوہام وغیرہ بھی لدھیانہ میں لکھی گئیں۔ نیز مسیح موعود یا

مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ بھی لدھیانہ میں کیا۔

اس سارے عرصہ میں مرزا قادیانی کو مولانا محمد حسین بٹالوی کی سرپرستی حاصل رہی۔ وہ نہ صرف مرزا قادیانی کے حق میں دلائل کا انبار لئے پھرتے رہے بلکہ اس کی آمد کے لئے لدھیانہ کی سرزمین میں محفوظ پناہ کا انتظام بھی کرتے رہے۔

مولانا بٹالوی مرحوم کا دیوانگی کی حد تک مرزا قادیانی سے تعلق تھا، اس کے متعلق گذشتہ شماروں میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

مگر ذہن کو تازہ کرنے لئے یہاں قادیانی مصنف ڈاکٹر بشارت کی کتاب ''مجدّد اعظم'' سے ایک اقتباس پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت کے عنوان سے لکھتا ہے:

> مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انہی دنوں میں اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں ''براہین احمدیہ'' پر ریویو کرتے ہوئے ان علماء سوء کی مخالفت کی وجہ بھی تفصیل سے بیان کر دی۔ جس کا خلاصہ خاکسار مؤلف کے الفاظ میں یہ ہے کہ دراصل ان لوگوں کی مخالفت محض حسد و عناد کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ دراصل گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد بالسیف کے قائل ہیں جسے وہ ڈرتے ظاہر تو نہیں کرتے لیکن اندر ہی اندر یہ خیالات باغیانہ رکھتے ہیں۔ چونکہ مولف براہین احمدیہ گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد بالسیف کو جائز نہیں سمجھتا کیونکہ وہ اس زمانہ میں جہاد بالسیف کے شرائط کو معدوم سمجھتا ہے اس لیے یہ مولوی جلے پھپھولے پھوڑتے ہیں اور اس نقار کو تکفیر کی شکل میں ظاہر کرتے رہے۔
>
> (مجدد اعظم ص ۱۱۸)

اسی طرح ''حیات طیبہ'' نامی کتاب کا ایک قادیانی مصنف لکھتا ہے کہ

> لدھیانہ کے مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد وغیرہ جو کافی عرصہ سے آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) کے مخالف تھے اور آپ کے خلاف ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے مگر مولوی محمد حسین بٹالوی کے دفاعی حملوں کی وجہ سے دب دب جاتے تھے۔ (حیات طیبہ ص ۹۹)

یہاں پر قادیانی مصنفوں نے مولانا بٹالوی مرحوم کی مرزا قادیانی سے شدید لگاؤ اور خاندان

علماء لدھیانہ پر دباؤ کا جس انداز میں ذکر کیا ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

مولانا بٹالوی کے اس کام میں مکتب فکر اہل حدیث لدھیانہ کے پیشواء مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ (جو کہ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے) پیش پیش تھے۔ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ نے لدھیانہ میں کیا کردار ادا کیا اور مکفرّ خاندان علماء لدھیانہ نے کیا فریضہ سرانجام دیا۔

کچھ مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ کے بارے میں

ان کے متعلق مکتب فکر اہل حدیث کے نامور مؤرخ جناب ڈاکٹر بہاؤالدّین (جن کا اصل نام محمد سلیمان اظہر ہے اور وہ مولانا عبداللہ گرداسپوری مرحوم کے صاحب زادے ہیں) نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

> آپ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کے نہایت قریبی رفقاء میں شمار ہوتے تھے۔بڑے صاحب علم وفضل اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔تحریک ختم نبوت میں ان کی خدمات گونا گوں ہیں (تحریک ختم نبوت، صفحہ ۳۶۶ جلد ۱)

مکتب فکر اہل حدیث کے نزدیک تحریک ختم نبوت کی ابتداء ۱۸۹۱ء سے ہوتی ہے۔اس سے پہلے جب ۱۸۸۴ء میں خاندان علمائے لدھیانہ نے کفر کا فتوی دیا اس وقت سے لے کر ۱۸۹۱ء تک مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ کا کردار کیا تھا؟ پڑھنے والے کے لئے مقام غور ہے۔اس لئے تاریخی حقائق کو محفوظ رکھنے کے لئے کچھ ہم ہی ذکر کر دیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی جب ۱۸۸۴ء میں پہلی دفعہ لدھیانہ میں آیا تو اس کے استقبال کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس میں مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ اہلحدیث پیش پیش تھے۔مرزا غلام احمد قادیانی پر اوّل مکفرّ مولانا محمد لدھیانوی نے ''فتاویٰ قادریہ'' میں ان لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں جو کہ مرزا کا استقبال کرنے والوں میں شامل تھے۔

> مرزا غلام احمد قادیانی نے لدھیانہ شہر میں آ کر ۱۳۰۱ھ میں دعویٰ کیا کہ میں مجدّد ہوں۔عباس علی صوفی اور منشی احمد جان مع مریدان اور مولوی محمد حسن مع اپنے گروہ اور مولوی شاہ دین اور عبدالقادر اور مولوی نور محمد حقانی مہتمم مدرسہ حقانی وغیرہ نے اس کے دعوے کو تسلیم کر کے امداد پر کمر باندھی۔(فتاوی قادریہ)

اس میں مولوی محمد حسن مع اپنے گروہ سے مراد مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ سرگروہ اہل حدیث ہیں۔

اور پھر جب انہی دنوں مرزا غلام احمد قادیانی لدھیانہ میں ٹھہرا رہا تو اس کو روزانہ ملنے کے لئے آنے والوں میں بھی مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ کا نام آتا ہے۔

تحریک احمدیت کا مصنف زائرین کا ہجوم اور حضور کی مجلس علم وعرفان کے عنوان سے لکھتا ہے۔

بہرکیف زبردست مخالفت کے باوجود جو آپ کی آمد پر اٹھائی گئی تھی لدھیانہ کے گردونواح سے روزانہ ہی صبح وشام بڑی کثرت سے لوگ حاضر ہوتے تھے۔علماء اور رؤسا کا تو ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔بالخصوص حضرت صوفی احمد جان صاحب نقشبندی ،مولوی شاہدین صاحب ، مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لدھیانہ ،نواب علی خان صاحب جھجر، پیر سراج الحق نعمانی تو پروانوں کی طرح آپ کے گرد رہتے تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد دوم ص ۴۶ ،۴۷)

یہاں پر دیکھیے تاریخِ احمدیت کا مصنف واضح طور پر لکھ رہا ہے کہ لدھیانہ میں مرزا قادیانی کی زبردست مخالفت تھی (جو کہ لازمی طور پر خاندانِ علماء لدھیانہ کے طرف سے تھی) مگر اس کے باوجود مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ سرگروہ اہلحدیث مرزا غلام احمد قادیانی کے گرد پروانہ وار طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تو گویا کہ مرزا قادیانی کا والہانہ استقبال کرنے والوں میں مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ سر گروہ اہل حدیث کا نام سرفہرست ہے۔چونکہ مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے اس لئے مرزا قادیانی کی آمد ورہائش کے لئے محفوظ انتظام کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔

تو اس لحاظ سے ۱۸۸۴ء سے لے کر ۱۸۹۱ء کے درمیانی عرصہ میں لدھیانہ میں مرزا قادیانی کے ارتداد کی تحریک کو پروان چڑھانے میں مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ بھی شامل ہوا کرتے تھے۔سمجھدار کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

خاندانِ علماءِ لدھیانہ کا طرزِ عمل

غیر مقلدین کے اس طرز عمل، پروانہ وار طواف اور شور و غوغا کے باوجود خاندان علماء لدھیانہ کی طرف سے شہر میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں فضاء کیسی بنا دی گئی تھی۔

اس پر ایک قادیانی پادری سرور شاہ یوں لکھتا ہے:

اس کے کچھ عرصہ بعد میں لاہور سے بغرض تعلیم دیوبند جانے لگا تو راستہ میں اپنے ایک غیر احمدی دوست مولوی ابراہیم کے ہاں لدھیانہ ٹھہرا۔ وہاں مجھے مولوی ابراہیم نے بتایا کہ آج کل مرزا صاحب قادیانی یہیں ہیں۔

میں نے اس سے کہا کہ چلو پھر ان سے چل کر ملیں، ان کے حالات دیکھیں۔ اس نے کہا کہ مرزا صاحب کی مخالفت بہت ہے اور میرے یہاں لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں اس لیے میں تو نہیں جا سکتا لیکن آپ کے ساتھ ایک طالب علم بھیج دیتا ہوں جو آپ کو مرزا صاحب کے مکان کا راستہ بتا دے گا (۔ سیرت المھدی حصہ اول ص ۲۷۹)

یہاں پر غور کیا جائے کہ مولوی ابراہیم لدھیانہ میں مرزا قادیانی کی بہت زیادہ مخالفت بیان کر رہا ہے، اور پھر مخالفت کی انتہاء اس پر یہاں تک اثر انداز ہے کہ وہ خود بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس جانے سے ڈرتا ہے۔

اس کو ڈر یہ تھا کہ کہیں لوگ مرزا قادیانی کے پاس جاتے ہوئے دیکھ کر لوگ مجھے بھی نقصان نہ پہنچائیں، اس لئے صرف ایک طالب علم کو راستہ بتانے کے لیے سرور شاہ قادیانی کے ساتھ بھیج دیتا ہے۔

ایک جگہ کتاب ’’ مجدّد اعظم ‘‘ کا قادیانی مصنف ڈاکٹر بشارت لکھتا ہے:

یہ لدھیانہ کا زمانہ عجیب طوفانی زمانہ تھا۔ اس لیے کہ لدھیانہ کے مولوی آپ کے خلاف سخت شور و شر کر رہے تھے۔ لدھیانہ کے تین مولوی یعنی ’’مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد‘‘ جو اس شہر میں بہت با اثر تھے دن رات لوگوں کو حضرت صاحب کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے

اور پبلک میں اس قدر اشتعال پیدا کر دیا تھا کہ جب حضرت صاحب یا آپ کے

احباب باہر نکلتے تو لوگ رستہ میں گالیاں دیتے اور خواہ مخواہ شرارتیں پیدا کرتے تاکہ فساد اور مار پیٹ کا موقع مل جائے۔(مجدد اعظم ص ۲۴۴)

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتا ہے:

لدھیانہ میں مولوی عبدالعزیز، مولوی عبداللہ، مولوی محمد، تین بھائی تھے اور خاص لودھیانہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ پر ان کا بہت اثر تھا۔وہ غالی حنفی تھے۔غدر ۱۸۵۷ء میں ان لوگوں پر انگریزوں کے خلاف بغاوت کے معاملہ میں کچھ الزامات بھی لگے تھے۔انہوں نے جب دیکھا کہ لدھیانہ میں آپ کی قدر بڑھتی جاتی ہے تو حسد سے جل مرے۔

ابھی حضرت صاحب لدھیانہ تشریف بھی نہ لائے تھے جو حاسدین کے اس گروہ نے اپنی تقریروں میں آپ پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔اس کے بعد جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ لدھیانہ تشریف بھی لا رہے ہیں تو اس مخالفت میں اور بھی ترقی ہوگئی۔چنانچہ جب آپ لدھیانہ پہنچے اور انہیں اس احترام اور قبولیت کا پتہ چلا جو لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق پیدا ہوگئی تھی تو ان کے جوش، غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اپنے پرانے حربہ تکفیر پر اُتر آئے۔

قدرتی طور پر میر عباس علی صاحب اور دوسرے دوستوں کو اس سے تشویش ہوئی چونکہ وہ ان مولویوں کی فتنہ پردازیوں سے خوب واقف تھے اس لیے پریشان ہو کر حضرت صاحب کو خطوط لکھے۔(مجدد اعظم ص ۱۱۸)

یہاں پر بے چارہ قادیانی مصنف مرزا قادیانی کی مقبولیت کا بھی تذکرہ کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ علماء لدھیانہ کے اثر و رسوخ کا بھی، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی چھپ کر لدھیانہ آتا تھا اور خاندان علماء لدھیانہ کے ڈر سے چھپ چھپ کر رہتا تھا۔

اسی طرح بعض لدھیانوی علماء کی ہنگامی آرائی کے عنوان سے تاریخ احمدیت کا مصنف لکھتا ہے:

پہلے روز شام کو میر عباس علی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں کھانا پیش

کیا۔ دوسرے دن صبح کو قاضی خواجہ علی صاحب نے اور شام کو صوفی احمد جان صاحب کے ایک مرید منشی رحیم بخش صاحب نے دعوت کی۔ لدھیانہ کی فضا اس وقت تک پر سکون تھی اور ابھی تک کوئی ناخوشگوار اور تلخ صورت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب شام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی رحیم بخش صاحب کے ہاں تشریف لے گئے تو لدھیانہ کے بعض خدا ناترس علماء کی ایک افسوس ناک کاروائی سامنے آئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اقدس آٹھ دس اصحاب کے ہمراہ منشی صاحب کے گھر پہنچے جہاں آپ کو پہلے تو ایک کھلے کمرے میں تشریف رکھنے کے لئے کہا گیا۔

لیکن جب کھانا تیار ہو گیا تو حضور کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا چکے تو مولوی عبدالعزیز لدھیانوی نے ہنگامی آرائی کے لئے اپنا ایک ایلچی بھیج دیا۔ جس نے آتے ہی حضرت صوفی احمد جان صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مولوی عبدالعزیز صاحب کہتے ہیں کہ قادیان والے مرزا صاحب ہمارے ساتھ بحث کریں یا کوتوالی چلیں۔ حضرت صوفی صاحب نے جواب دیا کہ ہم کیوں کوتوالی چلیں کیا ہم نے کسی کا قصور کیا ہے۔ اگر تمہارے مولوی صاحب نے کوئی بات دریافت کرنی ہے تو اخلاق وانسانیت کے ساتھ محلّہ صوفیاں میں جہاں حضرت اقدس ٹھہرے ہوئے ہیں دریافت کر لیں۔ حضرت صوفی صاحب نے اپنا جواب ختم کیا ہی تھا کہ خود میزبان یعنی منشی رحیم بخش صاحب نے انہیں یہ خبر سنائی کہ جس کمرہ سے آپ پہلے اٹھ کر آئے ہیں وہاں بعض لوگ جمع ہیں اور اپنے شکوک پیش کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت صوفی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ حضرت صاحب کو سفر کی وجہ سے تکان ہے۔ یہ لوگ حضرت اقدس کی قیامگاہ محلّہ صوفیاں پر آجائیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے یہ سن کر فرمایا کہ نہیں ہم بیٹھیں گے اور ان لوگوں کی باتیں سنیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت اقدس اپنے خدام کے ساتھ پہلے کمرے کی طرف چل دیئے۔ یہاں آئے تو دیکھا کہ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ حضور اور آپ کے ساتھیوں کو بمشکل جگہ ملی۔ ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے شکوک پیش کریں۔ چنانچہ وہ اعتراضات

کرتے رہے اور حضرت مسیح موعود ان کے جواب دیتے رہے۔ لیکن ان شوریدہ سروں کو تحقیق حق تو مقصود نہیں تھی وہ تو لدھیانہ کے بعض مولویوں کی اشتعال انگیزی پر اپنے جوش غضب کا مظاہرہ کرنے کو آئے تھے جو کرتے رہے۔ اسی موقعہ پر ایک شخص نے یہ سوال بھی کیا کہ آپ بھی پیشگوئیاں فرماتے ہیں اور نجومی اور رمّال بھی کرتے ہیں۔ ہمیں صداقت کا پتہ کس طرح لگے۔ حضور نے فرمایا کہ نصرت الٰہی نجومیوں اور رمّالوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اور مأمورین کو نصرت اور کامیابی ملتی ہے۔ وہ ان اور ان کی جماعت روز بروز ترقی کرتی اور ان کا اقبال ترقی کرتا ہے۔ خدا کے مأمور کا حوصلہ دیکھو کہ میر عباس علی صاحب تو لدھیانہ والوں کا بے جا جوش دیکھ کر گھبرا جاتے۔

مگر حضرت کے چہرے پر قطعاً کوئی ملال کے آثار نہیں تھے اور آپ پوری تسلی اور اطمینان کے لب ولہجہ میں انہیں فرماتے تھے کہ یہ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کرنے دو۔ آخر تھوڑی دیر بعد جب منشی رحیم بخش صاحب نے دیکھا کہ معاملہ طول کھینچ رہا ہے اور مخالفت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہے تو انہوں نے کمال عقلمندی سے کہہ دیا کہ حضرت صاحب کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا آپ لوگوں کے شکوک کے جواب حضرت صاحب نے کافی طور پر دے دیئے ہیں۔ حضور کو تکان ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس واپسی کا قصد کر کے اٹھے تو صوفی احمد جان صاب رضی اللہ عنہ نے میر عباس علی صاحب کو مشورہ دیا کہ مولوی عبدالعزیز صاحب فساد کے خوگر ہیں۔ دسرے رستہ سے چلنا چاہئے۔

حضرت اقدس نے جو قریب ہی کھڑے سن رہے تھے اس موقعہ پر بھی کوہ استقلال بن کر ارشاد فرمایا نہیں اسی راستہ سے چلیں گے جس راستہ سے اندیشہ کیا جاتا ہے۔ غرض فوراً حضور اسی راستہ سے ڈپٹی امیر علی صاحب کے مکان تک تشریف لائے اور راستہ میں کسی شخص کو مزاحمت کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی۔ چوڑے اور اونچے بازار کے سرے تک پہنچے تو لالہ ملاوامل نے میر عباس صاحب کو وہ رؤیا یاد دلایا جو کہ حضور نے لدھیانہ والوں کی مخالفت کے متعلق لکھا تھا اور ان سے پوچھا کہ وہ رؤیا پورا ہو گیا۔ میر عنایت علی صاحب نے جو اس وقت حضرت اقدس کے ہمراہ تھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فی الواقع میر صاحب کے

سوا اور کوئی نہیں تھا۔اس وقت خود میر عباس علی صاحب نے کھلا اقرار کیا کہ حضور کی رؤیا کمال صفائی سے پوری ہوگئی ہے۔(تاریخ احمدیت جلد دوم ص ۴۴،۴۵)

یہاں پر قادیانی مصنف نے واقعات لکھتے ہوئے اگرچہ روایتی جھوٹ کا سہارا لیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو وہ استقلال بنا رہا اور جواب دیتا رہا، حالانکہ حالات اس کے خلاف تھے۔اس سے قطع نظر یہ بات واضح ہوئی کہ علمائے لدھیانہ مباحثے کے لئے مرزا قادیانی کے گھر تک پہنچ گئے لیکن قادیانی کسی نہ کسی بہانے سے ٹال گیا۔

مرزا قادیانی کا علماءِ لدھیانہ کو صلح کا پیغام

اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں ایک وضاحت کرنا ضروی ہے۔ہم نے پچھلے کسی شمارے میں لکھا تھا کہ مرزا قادیانی پر اوّل مکفرّ مولانا محمد لدھیانویؒ چند سال کے لئے لدھیانہ سے باہر صوبہ بہار عظیم آباد پٹنہ میں غیر مقلدّیت کی سرکوبی کے لئے چلے گئے تھے اور کئی سال وہیں مقیم رہے، اسی قیام کے دوران ۱۳۰۵ھ میں مولانا غلام دستگیر قصوری کے استفتاء کا جواب علماء حرمین سے موصول ہوا، جس کا تذکرہ انہوں نے فیوضات مکّی میں بھی کیا ہے۔وہاں پر انہوں نے غیر مقلدیت اور قادیانیت کے خلاف مختلف رسائل شائع کیے۔

جن میں مکہ مکرمہ کے ایک بزرگ سید احمد مکی کے ایک عربی رسالہ "فی بیانِ ارتدادِ محمد بن عبدالوھاب نجدی" کا اردو میں ترجمہ کرکے شائع کیا، جس کا نام انہوں نے "فیوضات سید احمد مکی" رکھا۔پھر انہوں نے اپنا پرانا رسالہ "انتظام المساجد باخراج اهل الفتن والمفاسد" جو کہ غیر مقلدین کے خلاف تھا، کو ازسرِ نو شائع کیا۔

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی پر علماء لدھیانہ کی طرف سے کفر کے فتوے پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جو اعتراضات اٹھائے تھے پھر ان کا جواب علماء لدھیانہ کی طرف سے دیا گیا اس کو بھی دوبارہ شائع کیا۔اور ساتھ ہی مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کے گٹھ جوڑ پر بھی نظر رکھی، وقتاً فوقتاً اس پر اشتہارات شائع کرتے رہے۔

اسی دوران یعنی مولانا محمد لدھیانویؒ کی عدم موجودگی میں ان کے دونوں بھائیوں مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ اور مولانا عبداللہ لدھیانویؒ نے اپنے طور پر مرزا قادیانی کے خلاف محاذ کو

سنبھالے رکھا جس کا تذکرہ قادیانیوں کی مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔

ویسے تو یہ تینوں مکفرّ بھائی غیر مقلدّین ''جن میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی شامل ہے'' کو کسی بھی قسم کی رعایت دینے کے قائل نہ تھے مگر مولانا محمد لدھیانویؒ کا اس بارے میں رویہ بہت سخت تھا، وہ کسی بھی شکل میں ان طبقوں سے نرمی اختیار کرنے کے قائل نہ تھے۔ مولانا محمد لدھیانویؒ کی عدم موجودگی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے سمجھا شاید یہ دونوں بھائی میرے لئے کچھ نرمی پید کرلیں اس لئے ان دونوں بھائیوں کے ساتھ صلح کا ڈول ڈال کر دیکھا جائے، شاید دال کچھ گل جائے۔

اس پر مولانا محمد لدھیانویؒ فتاویٰ قادریہ میں فرماتے ہیں:

> ان حالات میں کچھ دیر بعد قادیانی نے بنا کنجر کی سرائے میں قیام کر کے بذریعہ مولوی عبدالقادر ہم کو صلح کا پیغام بدیں مضمون کہلا بھیجا کہ مخالفین دین محمدی میرے پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب علماءِ اسلام تیرے پر تکفیر کا فتویٰ شائع کر رہے ہیں تو ہم کو اسلام کی طرف کیسے دعوت کر رہا ہے۔

علماءِ لدھیانہ کا جواب

> مولانا مولوی عبد اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر صلح کرنی منظور ہے تو اپنے کلمات کفریہ سے بروز جمعہ برسر وعظ آ کر تائب ہو یا گفتگو کر کے ہم کو ساکت کرے یا ہم سے مباہلہ کرے۔ بجاء جواب الجواب مرزا اپنے مسکین قادیانی میں جا کر خواب خرگوشی اختیار کر کے سو رہا۔ (فتاویٰ قادریہ)

یہ اس دور کی بات ہے جب کہ مرزا قادیانی نے ابھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا، اس وقت اس کے تمام کے تمام دعووں کا منبع اس کی کتاب ''براہین احمدیہ'' تھی جس کی بھرپور تائید وتصدیق مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے کی تھی۔

اور اس وقت صرف علماء لدھیانہ ہی نے کفر کا فتویٰ جاری کیا ہوا تھا، اسی لئے مرزا قادیانی نے خاندانِ علماء لدھیانہ کو صلح کا پیغام بھیجا تاکہ تکفیر کرنے والے مولوی اس کی تکفیر کرنا چھوڑ دیں۔

اگر مولانا بٹالوی نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہوتا تو مرزا قادیانی ان کو بھی صلح کا پیغام دیتا مگر مولانا بٹالوی تو اس وقت اس کی زُلفِ ''براہین احمدیہ'' کے اسیر تھے۔

تین ہزار سالہ روایات، تہذیب، قوم

اوریا مقبول جان

پاکستان کا الیکٹرانک میڈیا دنیا کا منفرد اور نرالا میڈیا ہے۔ یہ اگر تہیہ کر لے کہ اس نے کسی کی عزت سر بازار نیلام کرنی ہے تو پھر اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ شیروں کی طرح دھاڑتا، بھیڑیوں کی طرح اپنے شکار کی تکہ بوٹی کرتا اور فاتح پہلوانوں کی طرح رقص کرتا نظر آتا ہے۔ اس میڈیا کا سب سے مظلوم شکار اسلام ہے۔

وہ اسے جب جس وقت اور جہاں چاہے گھسیٹ کے درمیان میں لے آتا ہے۔ ایک گھنٹے کا تماشا لگتا ہے اور اس تماشہ گاہ میں تمسخر اور تضحیک کا نشانہ بنانے کے لیے میرے ملک کے سادہ لوح علماء کو پکڑ پکڑ کر لایا جاتا ہے۔ پھر ان کے منہ میں ایسے فقرے ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے جن سے ان تمام ظالمانہ اور جاہلانہ رسوم کو اسلام اور مولوی کے کھاتے میں ڈال کر بدنامی کی مہر لگا دی جائے۔ اس ساری بحث کا مقبول ترین موضوع عورت اور اس پر ہونے والے مظالم ہیں۔ جن میں غیرت کے نام پر قتل سرفہرست ہے۔

غیرت کے نام پر قتل کی تاریخ نکالی جائے تو یہ اسلام کی حقانی تعلیمات کے اس دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے انسانی معاشروں کا سکہ رائج الوقت تھا۔ حمورابی کے قوانین جنہیں دنیا میں قوانین کا سرچشمہ مانا جاتا ہے جو 1200 قبل مسیح کی تاریخ رکھتے ہیں، اس کے مطابق عورت کی عزت (Chastity) خاندان کی ملکیت ہے اور اگر یہ تباہ ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جاتا۔

قدیم روم Romna Lawo of Pater Families کے مطابق عورت کی عزت لوٹنا ایک ایسا فعل ہے جو معاشرے میں اس کی حیثیت اور احترام کو تباہ کر دیتا ہے، اس لیے رحم کا تقاضا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے تا کہ وہ بے عزت زندگی نہ گزارے۔ ایسا ہی قانون یونان کے قبل مسیح معاشرے میں موجود تھا۔ قدیم ایران میں سائرس اعظم سے یہ دستور تھا کہ ایک بے راہ رو عورت کو دیوار میں چن دیا جائے جہاں وہ خود اپنی موت مر جائے۔

برِ صغیر پاک و ہند کے معاشرے میں تو ایسی عورت کو جلتی آگ یا کھولتے تیل میں پھینک دیا جاتا تھا۔ راجپوت تو جنگ میں نکلتے تو عورتوں کو قلعوں میں بند کر کے آگے لگا دیتے کہ شکست کی صورت دشمنوں کے ہاتھ نہ آجائیں اور ان کی عزت ملیامیٹ نہ کر دیں۔

پاکستان کے معاشرے میں یہ مظالم بھی انہی ''عظیم'' قومی روایات کا حصہ ہیں۔ کاروکاری ایک سندھی رسم ہے جو سندھ میں کئی ہزار سال سے غیرت، عزت اور حمیت کے نام پر چلی آرہی ہے۔ اسی طرح بلوچستان میں اسے سیاہ کاری کہتے ہیں جو بلوچ غیرت اور عزت کے حوالے سے کئی ہزار سال سے اس معاشرے میں قبائلی جرگے کے ذریعے نافذ ہوتی ہے۔ ونی اور سوارا یہ پشتون معاشرے کی رسمیں ہیں جس پر ان کا قبائلی معاشرہ صدیوں سے عمل کرتا چلا آیا ہے۔ وٹہ سٹہ، جہیز نہ لانے پر قتل اور بہو پر مظالم پنجاب کے علاقوں میں ہزاروں سال سے ہے جس میں مسلمان، سکھ اور ہندو سب برابر ہیں۔

یہ تمام رسمیں اسی طرح ان معاشروں کا حصہ ہیں جس طرح سندھ میں اجرک اور ٹوپی، پنجاب میں پگ اور دھوتی، پشتونوں میں لنگی اور شلوار اور بلوچوں میں پگڑی اور گھیر دار شلوار، ان رسموں کا تعلق نہ کبھی اسلام سے رہا ہے اور نہ کبھی اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ جب قبائلی جرگے بیٹھتے ہیں تو کوئی مولوی سے جا کر فتویٰ نہیں لیتا۔ جب بہو کو تیل ڈال کر جلایا جاتا ہے تو کوئی قرآن کھول کر اس کی تعبیر نہیں نکالتا۔ سب اپنی بلوچی، پشتون، سندھی اور پنجابی غیرت کے نام پر قتل بھی کرتے ہیں، تیزاب بھی پھینکتے ہیں صلح کے نام پر خون خرابے کو بچانے کے لیے عورتیں نکاح میں بھی دیتے ہیں۔ راجپوت جنگ چھوڑ سکتا ہے منگ نہیں چھوڑ سکتا۔

کئی ہزار سال پرانا مقولہ ہے جس پر آج بھی رشتہ توڑنے پر عورتیں قتل ہوتی ہیں۔ لیکن کمال ہے میرے ملک کے میڈیا کا کہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے وہ ایک جانب مغرب کی پروردہ این جی اوز کی خواتین کو بٹھاتے ہیں اور دوسری جانب میڈیا کے کسی شوقین مولوی کو، جس کا اس معاملے کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان نعرے باز قوم پرستوں کو نہیں بلایا جاتا جو کہتے ہیں ہم تین ہزار سال سے پشتون، سندھی، بلوچ اور پنجابی ہیں، چودہ سو سال سے مسلمان اور ساٹھ سال سے پاکستانی ہیں۔ جو نعرے بلند کرتے ہیں کہ ہماری بحیثیت سندھی، بلوچی، پشتون اور پنجابی ایک شناخت، ایک زمین ہے، جس کے لیے ہم خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔

جن کی زبان، لباس، کھانے کے ذائقے اور موسیقی پر کوئی اعتراض کر دے تو مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اِن این جی اوز کی خواتین کے مقابلے میں کسی پشتون، سندھی بلوچ اور پنجابی قوم پرست کو بٹھایا جاتا اور پوچھا جاتا بتاؤ تم اپنی اس تین ہزار سال کی عزت وناموس اور غیرت وحمیت کے نام پر قتل کرنے کی روایت اور پہچان کی وکالت کرتے ہو۔ پھر ان کا سامنا ان مغرب زدہ این جی اوز کی خواتین سے کروایا جاتا جو منہ پھاڑ کر ویسی ہی زبان استعمال کرتیں جیسی وہ اسلام اور مولوی کے خلاف کرتیں ہیں تو میں دیکھتا کہ کیسے پشتونوں، سندھیوں، بلوچوں اور پنجابیوں کے حقوق کے علمبردار آگ بگولہ ہو جاتے، ان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتی اور وہ کیسے ان عورتوں کو بھی اسی قابل سمجھتے جیسے جرگے میں فیصلے کرنے والے عظیم بلوچ، پشتون، پنجابی اور سندھی سپوت غیرت کے نام پر دھبہ عورتوں کو تصور کرتے ہیں۔ کیا کبھی ان لوگوں کو اس کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا۔ ایسا کوئی نہیں کرے گا۔

تین ہزار سال سے پشتون، بلوچ، پنجابی اور سندھی کہلانے والوں کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ چودہ سو سال سے پہلے اللہ نے ایک پیغمبرِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا جو ایک ایسی الہامی کتاب لے کر آیا جس کی سورت التکویر ایسے پشتون، بلوچ، پنجابی اور سندھی غیرت مندوں کے بارے میں ہے جو یوں عورتوں کو اپنی تین ہزار سالہ روایات کی پاسداری کے لیے قتل کرتے ہیں ایک حشر کا پیغام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، جب تارے بے نور ہو جائیں گے، جب پہاڑ چلا دیے جائیں گے۔ جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھٹی پڑیں گی۔ جب وحشی جانور خوف کے مارے اکٹھے ہو جائیں اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے اور جب جانوں کو جسموں سے جوڑا جائے گا۔'' ان آیات میں حشر کا میدان سجایا گیا ہے اور اگلی آیت میں اللہ فرماتا ہے۔ ''جب قتل کی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں کس گناہ میں مارا گیا؟'' یعنی اللہ ان غیرت مند، تین ہزار سال کی تاریخ اور روایات کے امین سندھی، پنجابی، پشتون اور بلوچوں کو دیکھے بھی نہیں اور مظلوم عورت سے سوال کرے گا کہ تمہیں کیوں قتل کیا گیا۔ حیرت ہے کہ ہم اس رسول رحمت کی چودہ سو سالہ تعلیمات پر فخر کرنے کی بجائے تین ہزار سالہ جہالت کا تاج سر پر سجانے میں عزت محسوس کرتے ہیں۔

امریکہ کی افسوناک صورتحال۔۔۔!

طیبہ ضیاء چیمہ (نیویارک)

امریکہ میں جرائم کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ڈاکے اور چوریوں کے واقعات تشویشناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں ۔ بیروزگاری اور مالی بحران کی وجہ سے دن دیہاڑے چوریاں ہو رہی ہیں ۔ امریکہ اندر اور باہر سے غیر محفوظ ہوتا جا رہا ہے ۔ جرائم پیشہ افراد گھروں سے نقدی، زیورات اور الیکٹرانک اشیاء چوری کر کے فوری طور پر آن لائن فروخت کر دیتے ہیں تا کہ پولیس کی پہنچ سے آزاد رہیں اور یہاں کی پولیس ''بھی چوریاں'' بازیاب کرانے میں اکثر ناکام رہتی ہیں۔

پاکستانیوں کے گھروں میں بھی چوری کے کئی واقعات سُن رہے ہیں۔ایک سکیورٹی گارڈ نے خبردار کیا کہ تم لوگ زیورات بنک میں رکھا کرو۔ جرائم پیشہ افراد کو علم ہے کہ دیسی خواتین سونا پہننے کی شوقین ہیں لہٰذا انڈین اور پاکستانیوں کے گھروں میں چوری کے واقعات میں اضافہ کی بڑی وجہ سونا ہے ،دوسری وجہ کیش ہے، اس ملک میں بھی خاص طور پر نیویارک میں ٹیکس چوروں کی خاصی تعداد آباد ہے جو کیش پر بزنس کرتی ہے اور بینکوں کی بجائے گھروں میں چھپا کر رکھتی ہے۔ چور بھیدی ہو گئے ہیں۔ پولیس کا کہنا ہے کہ چور ایک خاص قسم کے آلہ کی مدد سے گھروں میں زیورات کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ کچھ تو بیروزگاری کا سبب ہے اور کچھ مذہبی تعصب ہے۔

ایک پاکستانی نے بتایا کہ اس کے گھر سے نہ صرف زیورات اور نقدی غائب ہوئی بلکہ شیلف میں رکھے قرآن پاک اور اسلامی کتب کے اوراق بھی زمین پر پھٹے پڑے تھے، تسبیحوں کے دھاگے بھی توڑ دیے گئے ، پورے کمرے میں دانے بکھرئے ہوئے تھے۔ پولیس سے جب اس جنونیت کا سبب جاننا چاہا تو اس نے اس فعل کو تعصب قرار دینے سے انکار کر دیا اور اسلامی کتب کے اوراق پھاڑنے کی وجہ یہ بتائی کہ کچھ لوگ مذہبی کتابوں میں کیش چھپاتے ہیں۔ پولیس نے بتایا کہ چور سب سے پہلے

ماسٹر بیڈ روم میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں کی ہر چیز کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں لیکن آلہ موجود ہو تو ہو جہاں سونا رکھا ہے سب سے پہلے اس جگہ کی تلاشی لیتے ہیں۔ ایک اور پاکستانی خاتون نے بتایا کہ وہ اپنے زیورات کا باکس باتھ روم میں نہانے والے ٹب کی ایک خفیہ ٹائل کے نیچے چھپا کر رکھتی تھی مگر چور آئے اور اس آلہ کی مدد سے انہوں نے وہاں سے بھی زیور نکال لیا۔ امریکہ سے باہر ڈاکے ڈالنے والے پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔ جنگجو دہشت گردوں کو مارنے والے اپنے ملک میں ایک معمولی چوری بھی بازیاب کرانے میں ناکام ہیں۔

امریکہ میں بھی جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح سے مجرموں کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے اور اگر اس ملک میں بھی یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو لوگ محنت مزدوری سے باغی ہو جائیں گے اور پڑھا لکھا نوجوان طبقہ بھی جرائم پیشہ بن جائے گا۔ اس ملک میں ہائی سکول تک کی تعلیم مفت مگر کالج کی تعلیم بے حد مہنگی ہے اور جب مہنگی ڈگری حاصل کر کے بھی باعزت روزگار نہ مل سکے تو امیر ترین ملک کے لوگ بھی چور اور ڈاکو بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

صدر اوباما بھی معیشت کو کاندھا دینے میں ناکام رہے۔ پاکستان کو نیٹو سپلائی کی اربوں ڈالروں کی اُجرت دینے والا امریکہ پہلے اپنے لوگوں کو مزدوری مہیا کرے۔ پاکستان کو امداد دینے والا چوہدری پہلے اپنے ملک کے مہذب بھکاریوں کو تو روزگار مہیا کرے۔

وائٹ ہاؤس نے صدر اوباما اور ان کی فیملی کے اثاثہ جات جاری کیے، جس کے مطابق اوباما کے اثاثہ جات کی مالیت 8.3 ملین ڈالرز ہیں۔ اوباما کے مشترکہ اثاثے 12 ملین ڈالرز ہیں۔ امریکہ کا صدر ٹیکس بھی ادا کرتا ہے اور کرپٹ بھی نہیں مگر اس کا شمار بھی امریکہ کے امیر ترین افراد میں ہوتا ہے لہٰذا غریب اور بیروزگار عوام کے مسائل کو ان کی جگہ پر بیٹھ کر محسوس نہیں کر سکتا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو پاکستان کے شمالی علاقوں تک پھلانے کے منصوبے رکھنے والا پہلے اپنی گلیوں کے چوروں کی خبر لے۔ پُرامن شہری اندرون و بیرون دہشت گردی سے خوفزدہ ہیں۔

امریکہ کے صدارتی الیکشن میں اس بار دہشت گردی کے خلاف جنگ کو زیادہ اہمیت حاصل

نہیں رہی۔ 2004ء الیکشن اسی بنیاد پر لڑا گیا لیکن امریکی معیشت کی نازک صورتحال نے عوام کی سوچ بدل دی ہے۔

معیشت جب ایک بار زوال کا شکار ہو جائے تو اس کا بحران سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے بالخصوص دوسرے ممالک کو دبانے اور ان پر تسلط قائم رکھنے کی پالیسی ملکوں کو کنگال کر دیتی ہے۔ صدر اوباما معاشی بحران پر قابو پانے میں ناکام رہا اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب ناؤ ڈوبنے پر آئے تو ہمسفر لہریں ہی دھوکہ دیتی ہیں۔ صدر اوباما وار آن ٹیرر اور اکانومی کے مسائل سے نکل نہیں پائے تھے کہ ہم جنس پرستوں میں شادیوں کی حمایت گلے پڑ گئی۔ ہم جنس مردوں کی شادی کی حمایت نے صدر اوباما کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔

اگرچہ نائب صدر جو بائیڈن قوم سے معافی مانگ چکے ہیں کہ ان کی حکومت نے یہ حمایت عوام کے جذبات کے پیش نظر کی تھی مگر ان کی معافی مسترد کر دی گئی ہے۔ امریکہ کا مذہبی اور متعصب طبقہ خاص طور پر ری پبلکن پارٹی کو اوباما کی مخالفت کا ایک اور جواز ہاتھ لگ گیا ہے۔ ایک پول سروے کے مطابق امریکہ کی اکثریت اوباما کے ''گے میرج'' بیان کو ایک سیاسی فیصلہ سمجھتی ہے مگر اس غیر اخلاقی فعل کی حمایت سے جہاں امریکہ کا مذہبی طبقہ نالاں ہے، وہاں امریکہ کے مسلمان بھی صدر اوباما سے بدظن ہو گئے ہیں۔

یہ فیصلہ 2012 کے الیکشن پر منفی اثرات مرتب کرے گا۔ 'گے میرج' اور 'ابارشن' جیسے متنازعہ ایشوز انتخابات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اوباما متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ وہ کیتھولک مذہب کے ماننے والے ہیں، اس کے باوجود بعض حلقے انہیں مسلمان سمجھتے ہیں۔ ایک امریکی سروے کے مطابق چھ میں سے ایک امریکی شہری اوباما کو مسلمان سمجھتا ہے جبکہ کیتھولک عقیدت مندوں کی اکثریت اوباما کی حمایت کرتی ہے۔ صدر اوباما وار آن ٹیرر کا حامی نہ تھا مگر میاں نواز شریف کی طرح وہ بھی سیاسی حالات کا رخ دیکھ کر راستے تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور جب مجبوریاں کمزوریاں بن جائیں تو عوام بددل ہی نہیں بدظن بھی ہو جاتے ہیں۔

امیر المؤمنین امام المجاہدین

حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ

کے اوصاف وکمالات

حضرت سید صاحب کے اخلاق واوصاف کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آپ میں رسول اللہ ﷺ سے مناسبت تامّہ اور مزاج نبوی سے طبعی وذوقی اتحاد نظر آتا ہے۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی بیان کرتے ہیں:

''حضرت کو پہچاننے کو تھوڑی سی سیدھی عقل اور حدیث سے تھوڑی سی واقفیت چاہیے۔ اکثر اولیاء کو بعض انبیاء کا پرتو عنایت ہوتا ہے، ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبر ﷺ کا پرتو عنایت کیا اور گروہ پر حضرتؐ کے صحابہ کا پرتو ڈالا کہ لوگوں کے دل میں اتباعِ سنت کی محبت اور ایمان کی غیرت حد سے زیادہ اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بے قرار ہونے لگا''۔

اعتدال وتوسط

مولانا جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ بہت کثرت سے لوگ راہِ راست پر آگئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے وہ وضع اختیار نہیں کی جو میں چاہتا ہوں وہ افراط وتفریط کے درمیان توسط واعتدال کی راہ ہے جو حضرت امیر المومنین کے صحبت یافتہ لوگوں میں پائی جاتی ہے''۔

عالی ہمت، سخاوت ودریا دلی

نواب وزیر الدولہ بیان کرتے ہیں:

''آپ نہایت درجہ سیر چشم، دریا دل اور شاہانہ مزاج کے انسان تھے، طبیعت بے حد مستغنی اور بے نیاز تھی، دنیا کی دولت کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے، اور خزائن شاہی کو خاطر میں نہ لاتے''۔

شجاعت اور اعتماد علی اللہ

آپ کی شجاعت اور اللہ کی نصرت پر اعتماد وتوکل اور بے خوفی، مجاہدین اور دشمنانِ اسلام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ تمام جنگوں میں جن میں آپ شریک ہوئے آپ نے ہمیشہ لشکر کی قیادت کی اور

بہ نفسِ نفیس دشمن کی صفوں میں داخل ہوکر دشمنوں پر ہیبت طاری کردی۔

عفوودرگزر

ایسی بے مثال شجاعت کے ساتھ عفوودرگزر، تحمل وبرداشت اور عالی ظرفی آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی ،آپنی ذات کے لیے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا، بلکہ جس نے تکلیف پہنچائی، اس کے ساتھ حسن سلوک کیا، اس سلسلہ میں زہرخورانی کا واقعہ اور دیگر واقعات بار بار پڑھنے کے لائق ہیں۔

حیا

آپ کے مزاج میں حیا کا مادہ بہت تھا اور یہ بھی اس ذات گرامی کا ایک پرتو تھا۔ حاجی زین العابدین رام پوری فرماتے ہیں:

''ہزاروں عورتوں نے آپ سے بیعت کی، بعض پردہ نشین تھیں اور بعض آپ کے سامنے آجاتی تھیں، لیکن کبھی آپ کی نظران پر نہیں پڑی۔ بیعت کا بھی طریقہ یہ تھا کہ آپ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لیتے تھے اور دوسرا کنارہ وہ تھام لیتی تھیں اور آپ ان کوتوبہ کراتے اور احکامِ شریعت کی پابندی کا عہد لیتے''۔

ایذارسانی سے احتراز

مخلوقِ خدا پر آپ کو بہت شفقت تھی کسی کی تکلیف آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔کوئی جانوروں تک کو اگرستاتا تو آپ بہت آزردہ ہوتے، اراس کا مداوا کرتے۔

مسلمانوں کے درمیان مصالحت

مسلمانوں کے آپسی افتراق وانتشار کو دور کرنے کے لیے آپ مسلسل کوشاں رہتے، اوراس کی خاطر ہر طرح کی تکلیف اٹھاتے۔

رفقاء پر شفقت

رفقاء پر آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ ماں باپ کی شفقت کو لوگ بھول گئے تھے۔

مولانا سید جعفر علیؒ لکھتے ہیں:

''دین دار مجاہدین کے حال پر آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ہر ایک آپ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ سمجھتا تھا''۔

مساوات

حضرت سید صاحب امتیاز اور مشیخت کو پسند نہیں کرتے تھے، ہر کام میں اپنے رفقاء کے ساتھ شریک رہتے، لکڑیاں کاٹتے، گھاس چھیلتے، جھونپڑیوں کی تعمیر اور دیگر خدمات میں مشغول رہتے۔

حمیت شرعی

شریعت کے معاملہ میں آپ انتہائی غیور اور حساس تھے اور اسی غیرت وحمیت اسلامی کی وجہ سے آپ نے جہاد فی سبیل اللہ شروع کیا، محض وعظ وتبلیغ اور سلوک وارشاد پر اکتفاء نہیں کیا، بالآخر اسی راہ میں جان دے دی۔

شاہ سلیمان کے نام ایک خط تحریر فرماتے ہیں:

''تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت وسلطنت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ عیسائی اور ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل کرلیا ہے اور ظلم وبیداد شروع کردی ہے، کفروشرک کا غلبہ ہوگیا ہے، اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں یہ حال دیکھ دل رنج وغم اور غم وملال سے پُر ہوگیا اور ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا اور دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش وخروش ہے''۔

یہ حمیت صرف مخالفین اسلام اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ پر ہی نہ تھی بلکہ کسی قریب ترین عزیز یا رفیق سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکل جاتا جس سے شریعت کی تحقیر یا جنابِ الٰہی میں بے ادبی کا شائبہ ہوتا تو آپ برداشت نہ کرسکتے اور آپ اس پر سخت نکیر فرماتے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں:

''سفر حج سے واپسی پر راستہ میں مولوی کرامت علی صاحب بہاری کا الہ آباد سے خط آیا۔ آپ نے وہ خط پڑھنے کے لیے مجھے دیا، اس میں القاب وآداب کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ جنابِ والا کا سرفراز نامہ اس طرح شرف صدور لایا جیسے آسمان سے وحی۔ ابھی میں یہیں تک پہنچا تھا کہ ان لفظوں کو سنتے ہی آپ نے خط میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کو پھاڑ کر بتی بتی کردیا اور فرمایا جس خط کا عنوان بارگاہِ الٰہی میں ایسی گستاخی اور بے ادبی ہو اس کا مضمون کیا دیکھا جائے، خود کو تو پیغمبر ٹھہرایا اور مجھے نعوذ باللہ خدا ہی بنا دیا''۔

دُعا

حضرت سید صاحب کی ایک خاص صفت دعا تھی جو عبودیت کا لب لباب اور حضرات انبیاء کی وراثت

ہے برہنہ سر ہو کر ایسی عاجزی وانکسار درماندگی سے دعا کرتے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آجاتا، سننے والوں کے دل امنڈ آتے اور آنسوؤں کا دریا بہہ جاتا۔

نواب وزیر الدولہ بیان کرتے ہیں:

''دعا اور خدا کے سامنے گریہ وزاری کا آپ کو بڑا ذوق تھا، لوگوں کو دعا کی تعلیم دیتے اور خدا سے عرض ونیاز کا شوق دلاتے، اس وقت خطرات شیطانی اور وساوس نفسانی یکسر معدوم ہو جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، بعض شخص وارفتہ ومدہوش ہو جاتے، حاضرین مجلس کو اس قدر صفائی باطن اور ترقی روحانی حاصل ہوتی جو دوسرے اشغال واذکار اور چلّوں سے کم حاصل ہوتی''۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں کہ آپ کی تین خصوصیتیں تھیں:

''ایک خشوع وخضوع اور گریہ ونیاز کے ساتھ نماز،

دوسرے قرآن کا علم وعمل،

تیسرے دعاء مقبول۔

ایمان واحتساب

آپ کی زندگی کا ایک خاص شعبہ ایمان واحتساب تھا جو دراصل پورے نظام دینی کی روح ہے، آپ خود ارشاد فرماتے تھے:

''میں نے مدۃ العمر آنے، لینے دینے، اٹھنے بیٹھنے، حرکت وسکون، غصہ وبردباری، قہر ومہر، کھانے پینے، اور سوار ہونے کا کوئی کام نہیں کیا جس میں رضاء الٰہی کی نیت نہ ہو، اور کوئی کام میں نے نفس کے تقاضے اور خواہش سے نہیں کیا''۔

اتباعِ سنت

تواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں:

''آپ مجسم شریعت وسراپا اتباعِ سنت تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائل ظاہری، مراتب باطنی، روشن دلی اور صفائی قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وہ سب اتباعِ شریعت کی برکت اور پیروی سنت کی سعادت ہے''۔

اسی کے ساتھ آپ کو بدعات سے سخت نفرت تھی کہ اس کا سایہ بھی گوارہ نہ تھا۔ ایک خلافت نامہ میں

ترک بدعت کی تشریح فرماتے ہیں:

''ترک بدعت کی تشریح یہ ہے کہ تمام عبادات ومعاملات اورامور معاشیہ ومعاویہ میں حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو پوری قوت اور بلند ہمتی کے ساتھ پکڑا جائے۔اور یہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد لوگوں نے اس میں ایجاد کی ہیں۔مثلاً رسوم شادی وغمی،قبروں کی زیب وزینت ان پر عمارتوں کی تعمیر، عرسوں کا اسراف وفضول خرچی،تعزیہ سازی وغیرہ،ان کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے،اورحتی الامکان ان کے مٹانے کی کوشش کی جائے،پہلے خود ان کو ترک کیا جائے،پھر ہر مسلمان کو اس کی طرف دعوت دینی چاہیے، اسلئے کہ جیسے اتباعِ شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی فرض ہے''۔

محبت وخشیت

حضرت سید صاحب میں محبت کی نسبت اتنی غالب تھی کہ اس کے اثرات حاضرین مجلس اور نماز میں مقتدیوں پر پڑتے تھے،کبھی کبھی حضرت محبت الٰہی کے جذبات سے مغلوب ہوکر یہ شعر پڑھتے تھے:

دلم براہ تو صد پارہ بادو ہر پارہ

ہزار ذرہ ہر ذرہ درہوائے تو باد

لیکن محبت کے ساتھ خشیت الٰہی کا بھی غلبہ رہتا۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں:

''حضرت پر محبت الٰہی کے ساتھ خشیت الٰہی ہر وقت طاری رہتی تھی،سوءِ خاتمہ کا ڈر ایسا غالب رہتا تھا کہ جو آپ کی صحبت میں رہا اس کا یہی حال بن گیا،رقّت وخشیت کی تصویر بن گیا اور اسی کے ساتھ خدا کی محبت وسرور نے اس کو ایسا وارفتہ وخود فراموش بنا دیا کہ دنیا اس بے حقیقت معلوم ہونے لگی،وہ ایک ہی وقت میں باغ خنداں اور دیدۂ گریاں بن گیا''۔

صفات امارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحب کو جو جامعیت اور شانِ امامت عطا فرمائی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زیرِ سیادت مختلف استعدادوں کے افراد پورے ذوق وشوق سے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ دین کی خدمت میں مصروف تھے۔

آپ جماعت کے افراد میں سے جس فرد میں جو نمایاں خصوصیت واستعداد دیکھتے تھے وہی خدمت اس

کے سپرد فرماتے تھے اور اس کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ جماعت کے بعض ممتاز افراد کو آپ نے جہاد بالسیف کے بجائے تبلیغ و دعوت اور اصلاح و تربیت پر مامور فرمایا، بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کا یہ اقدام درست تھا، ان لوگوں سے لاکھوں بندگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔

مولانا سید محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو جنوبی ہند روانہ کیا، اسی طرح مولانا کرامت علی جون پوری کو بنگال روانہ فرمایا جب مولانا نے جہاد میں ہمرکابی کے لیے عرض کیا تو فرمایا: ''تم سے خدا کو وراثت نبویؐ اور تبلیغ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمہارے اندر اس کی استعداد ودیعت فرما دی ہے، تمہارے لیے یہ تبلیغی کام جہادِ اکبر ہے، اور تمہاری زبان و قلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے۔ مولانا کا فیض بنگال میں اتنا عام ہوا کہ لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے اور ہزاروں نے اسلام کی راہ پائی۔ جماعت پر نظر ڈالئے تو اس میں ہر صلاحیت اور کمال کے لوگ نظر آئیں گے۔ حضرت سید صاحب کے مریدوں میں جہاں حضرت شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئ، مولانا سید محمد علی رام پوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی جیسے سرآمد روزگار علماء و فضلاء اور حاجی عبدالرحیم ولایتی، مولانا نور محمد جھنجھانوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا سید محمد طاہر حسنی اور مولانا محمد یوسف پھلتی جیسے صلحاء اور صاحب نسبت مشائخ نظر آئیں گے، وہیں اردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر حکیم مومن خاں مؔومن دہلوی بھی دکھائی دیں گے جن کا قصیدہ اب بھی یادگار ہے، جن کا یہ شعران کی قلبی محبت اور ارادت کو ظاہر کرتا ہے:

گلاب ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ
کہ فکر مدحت سبطِ قسیمِ کوثر ہے

ایسی بلند مرتبہ شخصیات سے کام لینے کے لیے اعلیٰ درجہ کی فراست اور مردم شناسی کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جوہر بہ درجہ کمال عطا کیا تھا۔

جماعت کی سیرت سازی

حضرت سید صاحب کا سب سے عہد آفریں کارنامہ اور کرامت، آپ کی تربیت کی ہوئی وہ جماعت تھی جس کی مثال اتنی بڑی تعداد اور اس جامعیت و کاملیت کے ساتھ خیر القرون کے بعد نظر نہیں آتی، یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ یہ جماعت مجاہدین تیرہویں صدی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھی، یہ لوگ عقائد، اعمال واخلاق، اتباع سنت، شریعت کی پابندی، عبادت و تقویٰ، سادگی اور ایثار، خدمت خلق، غیرت دینی، حمیت

اسلامی، صبر واستقامت اور شوق شہادت میں مہاجرین وانصار کا نمونہ اور نقش قدم تھے۔

تجدید دین

حضرت سید صاحب کا اصل کام صحیح اور کامل مسلمان پیدا کرنا اور اسلام کی دعوت کو نئے انداز سے اسی قوت اور روح کے ساتھ پیش کرنا تھا جس کی اس زمانہ میں ضرورت ہے۔

آپ نے حقیقی اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دی، آپ کے وجود نے بارانِ رحمت کا کام کیا، آپ کے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی، خدا کا نام سیکھا اور دین کا راستہ اختیار کیا، فاسق وفاجر، متقی وپاکباز بن گئے، ہزاروں غافل وکم ہمت، شیخ وقت اور سالکِ راہِ خدا ہو گئے، جدھر سے آپ کا گزر بھی ہو گیا وہاں طاعتِ الٰہی اور خشیت کا ماحول بن گیا، گناہوں سے نفرت پیدا ہو گئی، شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں، مسجدیں آباد ہو گئیں۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:

''جس وقت دعوت کی آواز ملک ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام ملک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمع ہدایت پر ہجوم کرنے لگے یہاں تک کہ ایک ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی، ہزارہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور مذاہب باطلہ سے توبہ کی پانچ چھ برس کے عرصہ میں تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے''۔

پھر لکھتے ہیں:

''جو شخص اعتقاد کے ساتھ اس گروہ میں داخل ہوا اور اس نے بیعت کی، اسی وقت سے اس کو دنیا سے نفرت اور عاقبت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے، شرک وبدعت سے محض پاک ہوتا ہے اور اللہ کی محبت وعظمت، وشرع کی تعظیم وتوقیر، نماز کا شوق، سب اس کے دل میں جگہ پکڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو برے لگنے لگتے ہیں''۔

مولانا کرامت علی جون پوری لکھتے ہیں:

''اس امت مرحومہ کے لیے حضرت قطب الاقطاب امیر المومنین سید احمد کو اس تیرہویں صدی کا مجدد پیدا کیا اور اس جناب نے دین کو تازہ اور نیا کر دیا اور دین کے علم کو خوب پھیلایا''۔

مزید لکھتے ہیں:

''اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہو گی کہ اس ملک کے مردوں اور عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہو گیا،

اب ہر قوم کی عوت مرد نماز میں مستعد ہو گئے ہیں، قرآن شریف کا صحیح اور باتجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہو گیا ہے اور حافظوں کی کثرت ہو گئی ہے یہاں تک کہ عوام کی عورتیں بھی حافظہ ہو گئیں''۔

مولانا حیدر علی رام پوری تحریر فرماتے ہیں:

''ان کی ہدایت کا نور آفتاب کی مثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلاد اور قلوب عباد میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے سعیدان ازلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے آ آ کے اشراک و بدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسب عادت زمانہ خوگر ہو رہے تھے توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے، اور اکثر ملکوں میں خلفاءِ راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی دین محمدی کی راہ راست بتادی جن کو سمجھ تھی اور توفیقِ الٰہی نے ان کی دستگیری کی وہ اس راہ پر چلے۔

اور ہزاروں خلیفہ جابجا مقرر ہوئے کہ ان سے ایک سلسلہ بیعت و ارشاد و تلقین جاری ہے اور وہ لوگ جو نماز روزہ سے بیزار اور بھنگ بوزیئے کا کاروبار رکھتے تھے، شراب اور تاڑی ان کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا، برملا کہتے تھے کہ نماز کمپنی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کونسل کا آئین، زکوٰۃ اور حج کا پھر کیا ذکر ہے۔ شب و روز رشوت، زنا اور مردم آزادی سود خوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سینکڑوں ولد الزنا سے پیدا ہوئے اور صدہا پیر و جواں نامختون نصاریٰ اور مشرکوں کی مثل تھے، محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے کروائے، نیک اور پاک متقی ہو گئے۔ حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت بہت ہنود اور رافضی اور جوگی اور انت حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آ کر خفیہ ایمان لائے، پھر ہزار ہا علماء نے بعد حصول بیعت و خلافت رہنمائی خلق اللہ اختیار کی، بعضوں نے وعظ و نصیحت و ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھہرائی اور بعضوں نے آیات قرآنی و احادیث صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں ترغیب عبادت اور ترتیب گناہ ہی سے اپنے ملک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے ہزاروں جہلاء کو سیدھا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے تھے عالم بنا دیا، اور بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے''۔

مولانا عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت سید احمد صاحبؒ کے ہاتھ چالیس ہزار سے زیادہ ہندو و کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام

روئے زمین جاری ہے اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔"

نواب صدیق حسن خانؒ "تقصار جیود الأحرار" میں حضرت سید صاحبؒ کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

"خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے۔ ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی وجسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہنچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمینِ ہند کو شرک وبدعت کے خس وخاشاک سے پاک کردیا اور کتاب وسنت کی شاہراہ پر ڈال دیا ابھی تک ان کے وعظ وپند کے برکات جاری وساری ہیں"۔

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال سنا نہیں اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے، ان کا عشر عشیر بھی اس زمانہ کے علماء ومشائخ سے نہیں پہنچا"۔

شرک وبدعت کی بیخ کنی

حضرت سید صاحب نے شرک وبدعت کے استیصال کی طرف پوری توجہ کی، آپ توحید وسنت پر لوگوں سے بیعت لیتے اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیتے، اور آپ کے متبعین میں یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک اجازت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے ک بیعت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک بیعت طریقت دوسری بیعت امامت۔ بیعت طریقت کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ رضامندی کا راستہ ہاتھ آجائے اور حق تعالیٰ کی رضامندی منحصر ہے شریعت کی پیروی میں۔ جو شخص شریعت محمدیؐ کے سوا کسی اور راستہ کو حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہ شخص جھوٹا اور گمراہ ہے اور اس کا دعویٰ باطل اور ناقابلِ سماعت، اور شریعت کی بنیاد دو باتوں پر ہے، ایک ترک اشراک دوسرے ترک بدعاعت۔

ترک اشراک کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں، جنات، پیر ومرید، استاد وشاگرد، نبی وولی میں سے کسی کو مشکل کشا، دافع بلا، اور منافع کے حاصل کرانے پر قادر نہ سمجھے سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کے سامنے اپنی طرح عاجز ونادان سمجھے، اور اپنی ضرورتوں کی طلب میں انبیاء، اولیاء، صلحاء اور ملائکہ میں سے ہرگز ہرگز کسی کی نذر ونیاز نہ کرے، ہاں یہ ضرور عقیدہ رکھے کہ وہ مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں، ان کی مقبولیت کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی پیروی کی جائے اور ان کو اپنا پیشوا سمجھا جائے، نہ یہ کہ ان کو اس عالم میں متصرف اور ظاہر و باطن کا عالم سمجھا جائے یہ محض کفر وشرک ہے، مومن کا اس سے آلودہ ہونا کسی طرح درست نہیں۔

ترک بدعت کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عبادات ومعاملات وامور معاش ومعاد میں خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو پوری قوت اور بلند ہمتی سے پکڑنا چاہیے اور جو آپ کے بعد لوگوں نے بہت سی رسمیں ایجاد کرلی ہیں، مثلاً رسوم شادی و ماتم،

قبروں کی زیب وزینت، ان پر عمارتیں بنوانا، شادی کی تقریبات میں فضول خرچی واسراف، تعزیہ سازی وغیرہ ہرگز ان کو اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان ان کے ازالہ کی کوشش کی جائے اولاً خود ان کو ترک کیا جائے، پر ہر مسلمان کو ان سے اجتناب کی دعوت دی جائے جس طرح اتباع شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے''۔

ہندوستان میں اس وقت جاہل وبدعتی صوفیوں کے اثر اور ہندوؤں کے میل جول سے مسلمانوں میں شرک وبدعت کی گرم بازاری تھی۔ نام رکھنے میں، قسم کھانے میں، دعا اور مزارات پر حاضری اور شرکیہ اعمال میں اتنی زیادتی ہوگئی تھی کہ عام مسلمان تو کجا، علماء ومشائخ میں شرک وبدعت کی برائی کا احساس باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جب حضرت سید صاحب نے ببانگِ دہل شرک وبدعت کے خلاف آواز اٹھائی اور اعلانِ حق کیا تو پورے معاشرہ میں ہل چل مچ گئی اور لوگوں کی توجہ اس اہم مسئلہ کی طرف ہوئی اور شرک وبدعت، رسوم ورواج کا پردہ چاک ہوا، لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی رسالہ ''دعوت حق'' میں لکھتے ہیں:

''گلی گلی شرک وبدعت کی تحقیق ہونے لگی، پانچ پانچ سو برس کی رسوماتِ بد جہاں سے اٹھنے لگیں۔ اگر اس گروہ کا کوئی ادنیٰ مرید بھی ہے تو اس کو بھی تین چیزیں لازم ہوتی ہیں: شرک سے بھاگنا، نماز کی قید، شرع کی تعظیم''۔

شرک وبدعت سے دین تطہیر آپ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ ہے۔ مولانا سخاوت علی جون پوریؒ رسالہ نصائح میں لکھتے ہیں:

''جیسا کہ ملتِ ابراہیمؑ کو مکہ والوں نے بدل ڈالا تھا اور حضرت خاتم النبیین ﷺ نے ان کو سیدھا کیا تھا

اور تحریفات کو دور فرمایا تھا ویسا ہی سمجھو کہ شریعت محمدیہ کو جاہلوں اور بدعتیوں نے بدل ڈالا، اور حضرت مجدد وقت سید احمد امام امام دورہ دامت برکاتہ، نے تحریفات اور بدعتوں کو دفع کیا، اب سلامت دین وایمان اسی خاندان اور طریقہ محمدیہ میں ہے“۔

توحید وسنت کا یہ رنگ اتنا گہرا اور پائیدار ہوتا تھا اور آپ کی صحبت و بیعت اتنی مؤثرت تھی کہ جس نے بھی آپ سے بیعت کی، یا آپ کی صحبت بابرکت میں بیٹھ گیا اس پر ایسا رنگ چڑھ جاتا تھا کہ کسی طرح نہ اُترتا تھا، بچے اور عورتیں بھی اس رنگ میں اتنی کامل تھیں کہ کوئی ان کو اس راہِ حق سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

آپ نے اسلام کی تبلیغ اور توحید وسنت کی عالمگیر اشاعت فرمائی اور ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو، دہلی اور کلکتہ کے درمیان سینکڑوں مقامات کا آپ نے بہ نفیس دورہ فرمایا۔ آپ کے عظیم القدر خلفاء مولانا عبدالحئی صاحب اور شاہ اسماعیل شہید کے مواعظ ہوئے سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا، مدراس، حیدرآباد دکن، بمبئی میں مولانا سید محمد علی رام پوری و مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو بھیجا جنھوں نے اصلاح وعقائد واعمال ورسوم کو عظیم الشان کام انجام دیا،

یورپ میں آپ کے خلفاء مولانا ولایت علی و مولانا سخاوت علی جون پوری نے تبلیغ وہدایت کے فرائض انجام دیے، بنگال میں مولانا کرامت علیؒ جون پوری، صوفی نور محمدؒ کی کوششوں سے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے، نیپال کی ترائی میں مولانا سید جعفر علیؒ نے ہدایت کی روشنی پھیلائی، افغانستان میں آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ قندھاری سے بڑی اصلاح ہوئی جن کے خلیفہ مولانا عبداللہ غزنوی سے پنجاب میں بڑی ہدایت وروشنی پھیلی۔

تب میں آپ نے وہیں کے چند باشندوں کو جو آپ سے بیعت ہوئے تھے تبلیغ وہدایت کے لیے بھیجا اوران میں سے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین گئے۔

جاوا، بلغار اور مراکش کے بہت سے اہلِ علم وفضل آپ سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوکر اپنے اپنے ملکوں میں خدمتِ دین میں مصروف ہوئے۔

☆......☆......☆

امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ

۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ

یہ امام مجتہد، حجت، مفسر، محدث، فقیہہ، اصولی، مقری، مؤرخ، لغوی، نحوی، عروضی، ادیب، عظیم راوی، شاعر، محقق، مدقق، علوم وفضائل کے جامع بہت سی کتابوں کے مصنف، مجتہد مطلق علم و دین، حفظ اور کثرت تالیفات میں دنیا کے اماموں میں سے ایک امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۲۲۴ھ میں اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔

علامہ طبرستان کے شہر ''آمل'' میں پیدا ہوئے۔

بچپن اور طلب علم اسفار

سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں حدیث لکھنی شروع کی اور لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی سن ۲۳۶ھ میں بارہ سال کی عمر میں والد سے اجازت لے کر طلب علم میں سفر کے لیے نکل گئے۔

سن ۲۴۱ھ میں امام احمد کی وفات کے بعد بغداد میں قدم رکھا، ان کی امام احمد سے ملاقات نہ ہوسکی۔ علم کی جستجو اور علماء کی ملاقاتوں کے لیے عالم اسلام کے کئی شہروں کا طواف کیا۔ خراسان، عراق، شام، مصر میں گھومتے رہے۔ آخر میں بغداد کو وطن بنالیا اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔ عنفوان شباب میں ہی علم و امامت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایسے امام بن کر صفحۂ ہستی میں نمودار ہوئے جن کا کوئی ثانی نہ تھا، آنے والے ہر زمانے کے لوگوں نے ان کی امامت کی گواہی دی اور ان کی طرف رجوع کیا۔

فضل و کمال

امام حافظ ابوبکر خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے

کہتے ہیں، علماء کے ائمہ میں سے وہ ایک امام تھے۔ انکے قول پر فیصلہ کیا جاتا تھا۔ ان کی معرفت اور فضیلت کی وجہ سے انکی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

ان کی ذات میں وہ علوم جمع تھے جن میں ان معاصرین میں سے کوئی بھی ان کا شریک نہ تھا۔ قرآن کے حافظ، مختلف قرأتوں کے جاننے والے۔ قرآن کے معانی سے باخبر اور اس کے احکام کے فقیہہ اور احادیث اور اس کے مختلف طرق کے بڑے عالم تھے۔ صحیح اور سقیم، ناسخ ومنسوخ تمام احادیث پر ان کی نظر تھی۔ حلال وحرام اور دیگر مسائل واحکام میں صحابہؓ تابعین اور بعد والے حضرات کے اقوال ان کی نظر سے اوجھل نہ تھے۔ تاریخ کے ایک بڑے عالم تھے۔

چند تصنیفات

''جامع البیان عن وجوہ تاویل ای القرآن ''

ان کی مشہور تفسیر ہے، جس کے ہم پلہ کوئی اور تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔

''تاریخ الرسل والانبیاء والملوک والامم'

'ان کی مشہور تاریخ ہے۔ ''تھذیب الاثار وتفصیل اثبابت عن رسول اللہ من الاخبار '' اپنے موضوع پر لاثانی کتاب ہے البتہ اس کتاب کو وہ مکمل نہ کرسکے، فقہ کے اصول وفروع اور فقہا کے اختیار کردہ اقوال پر انکی بہت سی تصنیفات ہیں چند مسائل میں وہ متفرد تھے۔

امام ابوحامد، احمد بن محمد اسفرائینی کہتے ہیں کہ تفسیر ابن جریر کے حصول میں اگر کسی کو چین جانا پڑے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔

امام ابوبکر بن خریمہ نے ان سے واقف ہونے کے بعد کہا، ان کی زندگی کو میں نے شروع سے آخر تک دیکھا میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر ابن حریر سے کوئی بڑا عالم ہوگا۔

وسعت علم

علی بن عبیداللہ لغوی سمسمی قاضی ابوعمر عبیداللہ بن احمد سمسمار اور ابوالقیاس بن عقیل وراق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر طبری نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا کیا تم قرآن کی تفسیر کا شوق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کتنے صفحات کی ہوگی؟ بولے تیس ہزار صفحات کی۔ ساتھیوں نے کہا اس کے مکمل ہونے سے پہلے تو زندگیاں ختم ہوجائیں گی۔ اس پر انہوں نے مختصر کرکے تین ہزار

صفحات پر مشتمل سات سالوں میں وہ تفسیر لکھوائی۔ ۸۳ سال کی عمر شروع کی اور ۹۰ سال کی عمر میں مکمل کرلی۔

پھر ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کیا تم آدمؑ سے لے کر ہمارے زمانے کی تاریخ کا شوق رکھتے ہو؟ ساتھیوں نے کہا کتنے صفحات کی ہوگی وہی تفسیر والا جواب دہرایا۔ ساتھیوں کے سابق اعتراض کے جواب بولے۔ اناللہ، ہمتیں مردہ ہوگئی ہیں پھر تفسیر کی طرح تاریخ کو بھی مختصر کیا۔ تاریخ کی تصنیف اور اس کی قرأت سے بروز بدھ ستائیس جمادی الثانی تین سو تین ھجری میں فارغ ہوئے، اپنی تاریخ کو ۳۰۲ کے آخر میں ختم کیا۔

وقت کی قدر و قیمت

خطیب کہتے ہیں کہ میں نے سمسمی کو ابن جریر کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ وہ چالیس سال تک روزانہ چالیس صفحات لکھتے ہیں، ان کے شاگرد ابومحمد عبداللہ بن احمد بن جعفر فرغانی اپنی مشہور کتاب ''الصلہ'' جو کہ تاریخ ابن جریر کے ساتھ ملحق ہے۔ اس میں کہتے ہیں کہ ابن جریر کے شاگردوں نے ان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر ۸۶ سال کی عمر میں وفات تک دنوں کا حساب لگایا پھر ان ایام پر ان کی تصنیفات کو تقسیم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ روزانہ چودہ صفحات لکھتے تھے۔ یہ چیز مخلوق کو صرف خالق کی مہربانی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ ان کے شاگرد ابوبکر بن کامل، احمد بن کامل شجری قاضی کہتے ہیں کہ مجھے ابن جریر نے کہا سات سال کی عمر میں، میں نے قرآن حفظ کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں نے لوگوں کی امامت کی۔ نو سال کی عمر میں میں نے حدیث لکھنی شروع کی۔

ایک خواب

خواب میں مجھے میرے والد نے دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹا ہوں، میرے پاس پتھروں سے بھری ایک ٹوکری ہے اور میں ان پتھروں کو آپؐ کے سامنے پھینک رہا ہوں۔ تعبیر بتانے والے نے میرے والد کو بتایا کہ تمہارا بیٹا بڑا ہوکر دین کا خیر اخواہ اور آپ ﷺ کی شریعت کا دفاع کریگا۔ اس لیے بچپن سے ہی میرے والد طلب علم میں میری اعانت پر بے انتہا توجہ دیتے تھے۔

ذوق علم اور بے مثال حافظہ

محمد بن حمید کے پاس ہم حدیث لکھا کرتے تھے۔ رات میں وہ کئی مرتبہ ہمارے پاس تشریف

لائے۔ اور ہم نے جو لکھا ہوتا تھا اس کے بارے میں پوچھتے اور پھر خود اس کو پڑھتے۔ رے سے کچھ مسافت پر واقع ایک بستی میں احمد بن حماد دولابی رہتے تھے۔ ان کی مجلس سے فارغ ہو کر ہم ابن حمید کی مجلس کو پانے کے لیے دیوانوں کی طرح دوڑتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ابن جریر نے ابن حمید سے ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں لکھیں۔ کوفہ کی طرف سفر کیا اور بہت سے محدثین سے حدیثیں لکھیں جن میں ابو کریب محمد بن العلاء ھمدانی بھی ہیں وہ بہت بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج تھے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ دیگر طلبہ کے ساتھ میں بھی ان کے دروازے پر حاضر ہوا، انہوں نے دروازے کی کھڑکی سے جھانکا، باہر طلبہ شور کر رہے تھے اور داخل ہونا چاہتے تھے انہوں نے پوچھا تم نے جو احادیث میرے ہاں لکھی تھیں وہ کس کس کو یاد ہیں؟ تو طلبہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے پھر طلبہ میری طرف متوجہ ہو کر بولے تم نے جو احادیث لکھی تھیں وہ تمہیں یاد ہیں؟ میں نے کہا ہاں، تو وہ بولے اس کو یاد ہے۔ اس سے پوچھیں تو میں کہنا شروع کر دیا، فلاں دن آپ نے ہمیں یہ یہ حدیث سنائی تھی اور فلاں دن یہ یہ.........

ابو جعفر کہتے ہیں کہ میری دھرائی ہوئی حدیثوں میں ابو کریب کا کوئی مسئلہ حل ہو گیا، جس سے میرا مرتبہ ان کے دل میں بڑھ گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم اندر آجاؤ، چنانچہ میں اندر داخل ہو گیا۔ ابو کریب ابو جعفر شباب میں ہی اسقدر قابلیت کو دیکھ کر ان کے مقام کو پہچان گئے اور احادیث سننے کی عام اجازت دے دی۔ بعد میں دوسرے طلبہ ان کی وجہ سے احادیث کا سماع کر لیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ابو کریب سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔

کوفہ سے بغداد کی طرف لوٹے اور وہاں حدیث لکھنا شروع کر دی، ایک عرصہ تک یہیں بغداد میں ہی قیام رہا اسی قیام کے دوران انہوں نے فقہ اور علوم قرآن کی تعلیم حاصل کی۔

شعر و شاعری

انہوں نے شعر و شاعری ثعلب سے سیکھی۔ ابو عمر محمد بن عبد الواحد زاہد کہتے ہیں کہ میں ثعلب کو کہتے ہوئے سنا کہ:

میرے پاس لوگوں کے جمع ہونے سے بہت پہلے ابو جعفر نے بہت سے شعراء کے اشعار

مجھے پڑھ کر سنائیے۔

شام اور مصر میں

ابو جعفر اس کے بعد مصر کی طرف نکل گئے۔ راستہ میں شام کے مختلف شہروں، ساحلوں اور سرحدوں پر بہت سے مشائخ سے حدیث لکھی۔ پھر ۲۵۳ میں فسطاط کیطرف کوچ کیا۔ اس شہر میں جو شیوخ اور اہل علم باقی تھے۔ ان سب سے امام مالک شافعی اور ابن وھب کے علوم میں سے خوب لکھا۔

پھر واپس شام کی طرف لوٹے اور وہاں سے ۲۵۶ھ میں مصر کا دوبارہ رخ کیا۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ ''میں جب مصر میں داخل ہوا تو اہل علم میں ایک بھی شخص ایسا نہ رہا جس نے مجھ سے ملاقات نہ کی ہو اور اس نے میرا اس علم میں جس میں اس کو تحقیق ہوتی تھی، امتحان نہ لیا ہو''۔

جہالت سے علم تک کا سفر

ایک دن ایک شخص میرے پاس علم عروض کا ایک سوال لے کر آیا۔ اس سے قبل علم عروض سے مجھے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا آج میں نے علم عروض کے متعلق گفتگو نہ کرنے کا عزم کیا ہوا ہے، تم کل آجاؤ۔ پھر میں نے اپنے دوست سے خلیل بن احمد کی کتاب ''العروض'' منگوائی۔ وہ لے کر آ گیا۔ رات میں نے وہ کتاب دیکھی۔ چنانچہ اس رات تک تو میں علم عروض سے ناواقف تھا اور صبح کو میں علم عروض کا عالم بن گیا تھا۔ (سبحان اللہ)

فقر و فاقہ سے آزمائش

حصول علم میں مختلف شہروں کی خاک چھاننے کے دوران امام طبری کو مختلف مصائب و آلام کا سامنا بھی ہوا، بھوک اور درماندگی نے لاتعداد مرتبہ ان کو چھوا، حتیٰ کہ ایک مرتبہ والد کی جانب سے خرچہ بھیجنے میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ان کو اپنی قمیص کے دونوں آستین پھاڑ کر بیچنے پڑے۔ اس قسم کے حالات کا سامنا اکثر ان کو ۲۵۶ھ میں مصر میں ہوا۔

زہد و عبادت

دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش تھے۔ خود کو اس سے آلودہ ہونے سے بچاتے تھے۔ وہ اس قاری کی طرح تھے جو قرآن کے علاوہ کسی اور کو نہ جانتا ہو۔ اس محدث کی طرح جو حدیث کے علاوہ ہر

چیز سے نابلد ہو۔ اس حساب دان کی طرح تھے جس کو حساب کے علاوہ کسی دوسری چیز سے سروکار نہ ہو۔ وہ عبادات کے عالم اور علوم کے جامع تھے۔ آپ جب ان کی تالیفات کا دوسروں کی تالیفات سے موازنہ کریں گے تو ان کی تالیفات کو دوسروں کی تالیفات سے افضل پائیں گے۔

نظام الاوقات

ان کے روزمرہ کے معمولات کا نظام الاوقات کچھ اس طرح تھا۔ نیند سے بیدار ہو کر گھر میں ظہر کی نماز ادا کرتے، عصر تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ نماز عصر کے لیے گھر سے نکلتے، پھر مغرب تک پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے۔ مغرب کے بعد عشاء تک فقہ کے درس میں مشغول رہتے۔ درس سے فراغت کے بعد وہ گھر میں داخل ہو جاتے۔ انہوں نے اپنے دن اور رات کو ایسے کاموں میں تقسیم کر رکھا تھا جو ان کی ذات، دین اور عام لوگوں کے لیے نفع بخش ہو۔

ابو جعفر طبریؒ کا حلیہ

ان کا رنگ گندمی، آنکھوں کی پتلیاں بڑی، لاغر جسم اور لانبا قد تھا۔ زبان فصیح اور داڑھی بڑی تھی۔ سفید بالوں کا خضاب نہیں لگاتے تھے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بال اکثر کالے تھے۔ استاذ ''کرد علی'' اپنی کتاب ''کنوز الاجداد'' میں امام طبری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی افادہ اور استفادہ کے علاوہ میں ضائع نہیں کیا۔

طلب علم مہد سے لحد تک

معافی بن زکریا ایک با اعتماد شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ امام طبری کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے ان کے پاس حاضر تھا۔ ان سے جعفر بن محمد کے حوالہ سے اس دعا کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے قلم دوات اور ایک کاغذ مانگا۔ اور وہ فوراً ہی لکھ لی ان سے کہا گیا کہ کیا اس حال میں بھی کتابت علم کی اتنی فکر؟ تو وہ بولے انسان کو چاہیے کہ مرتے دم تک علم کو لینا نہ چھوڑے۔

میں کہتا ہوں کہ اے ابو جعفر! آپ پر اللہ کی رحمت ہو، آپ نے اپنی تمام تر توانائیاں زندگی کے تمام منٹ اور لمحات علم کی خدمت اور اس کی تحصیل اور اس کی نشر و اشاعت میں کھپا دیئے۔ اسی لیے تو آپ اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی امام ہیں۔

وفات ۲۶ شوال ۳۱۰ کو ۸۶ سال کی عمر میں۔

قبولیت دعاء

جس طرح مخصوص اوقات مقبولیتِ دعا میں اثر رکھتے ہیں، اسی طرح انسان کے بعض حالات کو بھی حق تعالیٰ نے مقبولیت دعا کے لیے مخصوص فرمایا، جن میں کوئی دعا رد نہیں کی جاتی وہ حالات درجِ ذیل ہیں:

ا۔اذان کے وقت۔[ابوداؤد، مستدرک] ۲۔اذان واقامت کے درمیان۔[ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ] ۳۔حی الصلوٰۃ، حی الفلاح کے بعد اس شخص کے لیے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو اس وقت دعا کرنا بہت مجرب ومفید ہے۔[مستدرک]

۴۔جہاد میں صف باندھتے وقت۔[ابن حبان، طبرانی، مؤطا]

۵۔جہاد میں گھمسان کی لڑائی کے وقت۔[ابوداؤد]

۶۔فرض نمازوں کے بعد۔[ترمذی، نسائی]

۷۔سجدہ کی حالت میں۔[مسلم، ابوداؤد، نسائی]

۸۔تلاوتِ قرآن کے بعد۔[ترمذی] بالخصوص ختم قرآن کے بعد۔[طبرانی، ابویعلیٰ]

۹۔آبِ زمزم پینے کے وقت۔[مستدرک حاکم]

۱۰۔میت کے پاس حاضر ہوتے وقت۔یعنی جو شخص نزاع کی حالت میں ہو اس کے پاس آنے کے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔[مسلم وسنن ابی اربعہ] ۱۱۔مرغ کے آواز کرنے کے وقت۔[بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی] ۱۲۔مسلمانوں کے اجتماع کے وقت۔[صحاح ستہ عن عطبہ الانصاریۃ] ۱۳۔مجالس ذکر۔[بخاری، مسلم، ترمذی] ۱۴۔امام کے ﴿ولا الضالین﴾ کہنے کے وقت۔[مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ]

فائدہ: بظاہر امام جزری کی مراد اس سے وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے باب التشہد میں ذکر کی ہے۔ واذا قرء ﴿غیر المغضوب علیھم ولا الضالین﴾ یعنی جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، حق تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر دعا سے مراد صرف آمین کہنا ہے دوسری دعا مراد نہیں۔۱۵۔اقامت نماز کے وقت۔[طبرانی، ابن مردویہ] ۱۶۔بارش کے وقت۔[ابوداؤد طبرانی ابن مردویہ عن سہل بن سعد الساعدی] ۱۷۔بیت اللہ پر نظر پڑنے کے وقت۔[ترمذی وطبرانی]

شذرات

آسمان کے فرشتے ذرّاتِ زمین سے زیادہ تعداد میں ہیں

کعب الاحبارؒ کہتے ہیں کہ سوئی کی نوک کے برابر بھی کوئی جگہ زمین میں ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ تسبیح خدا میں مصروف نہ ہو اور آسمان کے فرشتے ذرّاتِ زمین سے بھی زیادہ تعداد میں ہیں اور عرش کے حامل فرشتوں کے ٹخنے سے ساق تک کی مسافت ایک سو برس کی مسافت ہے۔

حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم وہ سنتے ہو، جو میں سنتا ہوں؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو کچھ نہیں سن رہے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں آسمان کا چرچرانا سن رہا ہوں اور وہ کیوں نہ دبے اور کیوں نہ چرچرائے آسمان میں بالشت بھر جگہ بھی تو ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں موجود نہ ہو۔ [تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۸]

ایک آیت اُتری اور سارے جنات شہروں سے نکل پڑے

﴿ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یدبر الامر مامن شفیع الامن بعد اذنہ ذلکم اللہ ربکم باعبدوہ افلا تذکرون . ﴾ [سورۂ یونس، پارہ ۱۱، آیت: ۳]

ترجمہ: ''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنیوالا نہیں، ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم کا پروردگار ہے اس نے زمینوں اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا، کہا گیا ہے کہ یہ دن ہمارے دنوں کے جیسے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہزار سال کا ایک دن تھا، جس کا بیان آگے آئے گا، پھر وہ عرش عظیم پر متمکن ہو گیا اور عرش کی سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے، وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے یا یہ کہ وہ بھی خدا کا نور ہے، خدا سارے خلائق کا مدبر

سرپرست اور کفیل ہے۔اس کی نگہداشت سے زمین یا آسمانوں کا ذرّہ بھی بچا یا چھوٹا نہیں۔ایک طرف کی توجہ اس کو دوسری طرف کی توجہ سے نہیں روک سکتی، اس کے لیے کوئی بات بھی غلط طور پر باقی نہیں رہ سکتی۔ پہاڑوں، سمندروں، آبادیوں اور جنگلوں میں کہیں بھی کوئی بڑی تدبیر چھوٹی طرف دھیان سے اس کو نہیں روک سکتی، کوئی جاندار بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو، ایک چیز بھی حرکت کرتی ہے، ایک پتہ بھی گرتا ہے تو وہ اس کا علم رکھتا ہے۔ زمین کی تاریکیوں میں کوئی ذرّہ ایسا نہیں اور نہ کوئی تر و خشک ایسا ہے جو اس کے لوحِ محفوظ یعنی کتاب علم میں نہ ہو، جس وقت یہ آیت اُتری:

﴿ان ربکم اللہ الذی خلق السموت ولارض......الخ﴾

مسلمانوں کو ایک بڑا قافلہ آتا دکھائی دیا، معلوم ہو رہا تھا کہ بدوی لوگ ہیں۔لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ تو کہا کہ ہم جن ہیں، اس آیت کے سبب ہم شہر سے نکل پڑے ہیں۔[تفسیر ابن کثیر، جلد۲، صفحہ ۴۳۴]

اللہ کی قدرت

﴿قل انظرو اماذا فی السموت ولارض وماتغنی الایت والنذر عن قوم لایؤمنون . فھل ینتظرون الامثل ایام الذین خلوا من قبلھم قل فانتظرو انی معکم من المنتظرین . ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذلك حقا علینا ننجی المؤمنین .﴾ سورۂ یونس: ۱۰۱تا۱۰۳]

ترجمہ:’’ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں، سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ پھر ہم پیغمبروں کو ایمان والوں کو بچالیتے تھے اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کریں‘‘۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی فرما رہے ہیں کہ ساری کائنات میں ہماری جو نشانیاں ہیں۔جیسے آسمان، ستارے، سیارے، شمس و قمر، لیل و نہار پھیلی ہوئی ہیں ان پر نظر بصیرت ڈالو کہ رات میں دن کیسے داخل ہو جاتا ہے، اور دن میں رات کیسے داخل ہو جاتی ہے؟ کبھی دن بڑا اور کبھی

رات بڑی۔ آسمان کی بلندی اور پھیلاؤ، سیاروں سے اس کی زیب وزینت آسمان سے پانی برسنا، زمین کا سوکھ جانے کے بعد پھر زندہ وسرسبز ہو جانا۔ درختوں میں پھل، پھول، کلیاں پیدا ہونا، مختلف نباتات کا اگنا، مختلف نوع کے جانور، ان کی شکلیں الگ الگ، ان کے رنگ، ان کے افادات سب الگ الگ، پہاڑ، چٹیل میدان، جنگل، باغ، آبادیاں اور ویرانے، سمندر کی تہہ کہ عجائبات، موجیں، ان کے مدوجذر ،اس کے باوجود سفر کرنے والوں کے لیے سمندر کا مسخر ہو جانا، جہازوں کا چلنا یہ سب خدائے قادر کی نشانیاں ہیں جس کے سوا کوئی دوسرا خدا ہے ہی نہیں۔ لیکن افسوس! کہ یہ ساری نشانیاں کافروں کے غور وفکر کا کچھ بھی سبب نہیں بنتیں۔

خدا کی دلیل ثابت ہو چکی ہے، ایمان نہیں لاتے ہیں نہ لائیں، یہ لوگ تو انہی عذاب کے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جس سے سابقہ پہلے کی قوموں کو پڑا تھا۔ اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ وقت کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں اور جب ختم انتظار پر عذاب آجائے گا تو پھر ہم اپنے رسولوں کو بچالیں گے اور ان کی امت کو بھی۔ اور پیغمبروں کا انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا ہے کہ مؤمنین کو بچالے۔ جیسے کہ نیکو کاروں پر رحمت اپنے ذمہ لے لی ہے ۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لوحِ محفوظ جو عرش پر ہے اس میں مکتوب ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ [تفسیر ابن کثیر، جلد۲، صفحہ۶۷۴]

محمد بن قاسم کا ایک گھر اجڑ گیا اور لاکھوں کروڑوں انسان اسلام میں آ گئے

محمد بن قاسمؒ جن کے ذریعہ سے سندھ اور پنجاب مسلمان ہوا ان کی شادی کو چار مہینے ہوئے تھے، ان کے چچا حجاج بن یوسف نے اپنی بیٹی نکاح میں دی تھی، چار مہینے بعد ان کو بھیجا تھا، سوا دو سال تک وہ یہاں رہے ہیں۔ آج تک مسلمانوں کے نامۂ اعمال ان کے نام پر جا رہے ہیں، ساڑھے دو سال بعد گرفتار ہوئے،

سلیمان کے ظلم کا شکار ہوئے، جیل میں شہید ہوئے، اپنے گھر کو صرف چار مہینے آباد دیکھ سکے ،اور ہمیشہ کے لیے دنیا چھوڑ گئے لیکن کروڑوں انسانوں کی ہدایت کا اجر وثواب اپنے نامۂ اعمال میں لکھوا گئے اور ابھی تک لکھا جا رہا ہے۔ جب ان کو شہید کیا جانے لگا تو کہنے لگے: ” اضاعونی وای

فتًی اضاعوا'' انہوں نے مجھے ضائع کیا اور کیسے جوان کو ضائع کیا۔ جوان کی حدود کی حفاظت کرتا تھا اور مشکل وقت میں ان کے کام آتا تھا آج اس کو انہوں نے ضائع کر دیا۔

محمد بن قاسمؒ کا ایک گھر اجڑ گیا اور لاکھوں کروڑوں انسان اسلام میں آ گئے۔ [اصلاحی واقعات، صفحہ ۲۷۶]

ایک اللہ والے نے ملک کافور احمد بن طولون کو نصیحت کی، تو اس کو غصہ آ گیا، ان کے ہاتھ پاؤ ں باندھ کے بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیا اور اعلان کرا دیا کہ بادشاہ کے سامنے گستاخی کرنے والے کا انجام ایسا ہوتا ہے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو ایک بھوکا شیر آ کر اپنی زبان سے ان کے پاؤں اور ہاتھوں کو چاٹنے لگا جیسے جانور اپنے بچوں کو زبان سے چاٹتے ہیں۔

یہ جانور کی محبت اور پیار کا طریقہ ہے، وہ شیر اس اللہ والے کے پیر چاٹ رہا تھا تو اُن پر بھی لرزہ طاری ہو گیا کہ میں ابھی اس کے منہ میں جاؤں گا اس کے بعد ان کے ہاتھ پاؤں کھول کر باہر لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ جب شیر آپ کے پاؤں چاٹ رہا تھا تو آپ اپنے دل میں کیا سوچ رہے تھے؟ تو انہوں نے کہا

کہ میں سوچ رہا تھا کہ میرے پاؤں پاک ہیں یا ناپاک ہیں؟ اللہ کی عظمت دل میں اترتی جاتی ہے تو شیر کو بھی اللہ تعالیٰ بکر بنا دیتا ہے اور ہم انسان نما بکریوں سے ڈرتے ہیں اور اللہ سے نہیں ڈرتے ہیں۔

[اصلاحی واقعات، صفحہ ۲۷۸]

ماہنامہ ملیہ کیلئے مضامین بھیجنے والے حضرات متوجہ ہوں!

رسالہ کے صفحات آپ کی نگارشات کیلئے حاضر ہیں

برائے مہربانی اپنے مضامین ان پیج (INPAGE) میں ٹائپ کروا کر ہماری ای میل milliafsd@yahoo.com پر اس ان پیج فائل کو Attach کر کے بھجوائیں۔

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN

JAMIA MILLIA ISLAMIA

Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569

E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213

ماہنامہ مِلّیہ فیصل آباد پاکستان

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ	شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ	رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ
امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ	حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ بانی جامعہ	پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

- عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

اس میں وہ سب کچھ جس سے ہر ایک مسلمان کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

- تاریخی حقائق سے مزین علمی مقالہ جات
- بے لاگ تبصروں اور تحقیقاتی تجزیوں سے بھرپور
- نقطہ نظر کا کالم ہر لکھنے والے کے لئے
- آپ کے مسائل اور ان کا حل
- طلباء، خواتین اور بچوں کے خصوصی صفحات
- حصہ شعر و سخن۔ جس میں حمد و نعت، نظم اور غزل۔
- تذکرۂ اکابر سے مزین تحقیقی مقالہ جات
- خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی دعوت دے کر اس صدقۂ جاریہ میں شریک کریں۔

E-mail:milliafsd@yahoo.com

www.milliafsd.com